مکمل ناول

• حنا ملک

کہاں سے گزرے راستے

۔ چند روز قبل تک وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وقت یوں کروٹ لے گا کہ برسوں کے فیصلے لمحوں میں بدل جائیں گے۔ ان چار دنوں میں وہ اتنا رو چکی تھی کہ اب تو آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ بوا بیگم زبردستی اسے کھانا کھلانے کی کوشش کرتیں مگر حلق سے نیچے کچھ اترتا ہی نہ تھا۔ خالہ کی جدائی کا غم اور اوپر سے ولید احمد نام کی تلوار جو سر پر لٹک رہی تھی۔ جب بھی اس سے سامنا ہوتا۔ وہ لرز کر سر جھکا دیتی۔ گرچہ زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی نگاہوں کا سرد سا تاثر ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ پیدا کرنے کو کافی تھا۔ تعزیت کے لیے آنے والے جا چکے تھے۔ سب سے آخر میں جانے والوں میں بوا بیگم بھی شامل تھیں۔

"میری بہو پورے دنوں سے ہے۔ میں رک نہیں سکتی۔ اب تم اٹھو اور اپنا گھر سنبھالو۔ رونے سے مرجانے والے واپس لوٹ آتے تو یہاں ہر دوسرا شخص تم کو روتا ہوا ملتا۔" اس کی بھرائی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بوا بیگم نے کہا۔

"بوا! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" لرزتی آواز میں دل کا خدشہ زبان پر آ گیا۔

"لو بھلا! ڈرنے کی کیا بات ہے۔ یہ لمبا چوڑا گبھرو جوان ہے تمہارے ساتھ۔ پھر کاہے کا ڈر؟" بوا نے چمکارا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اب انہیں کیا بتاتی کہ دراصل اسی لمبے چوڑے گبھرو جوان سے ہی تو ڈر لگ رہا تھا۔

"چلیں بوا! ٹیکسی آ گئی ہے۔" ولید احمد کی سرد سی آواز سماعتوں میں پڑی تو اس نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ پوری طرح سے بوا کی طرف متوجہ تھا۔ چہرے پر زمانے بھر کی سختی تھی۔ شہرین اندر ہی اندر لرز کر رہ گئی۔

"اس کا خیال رکھنا بیٹے۔ ابھی بچی ہے نا۔ بہت گھبرا رہی ہے۔" شہرین سے ملنے کے بعد وہ ولید سے مخاطب ہوئیں۔ (ہونہہ! بچی ہے تو کیا سر پر اٹھا

کرناچوں) تلخی سے سوچتے ہوئے سر جھٹکا۔
''عورت تو پیار کے دو میٹھے بولوں سے موم ہو جاتی ہے۔ ذرا اپنے غصے اور لہجے پر قابو رکھنا۔ بچی بے چاری کا ڈر ڈر کر بُرا حال ہے۔'' بوا اس کی ہمراہی میں چلتے ہوئے سمجھا رہی تھیں اور وہ بُرے بُرے منہ بناتا سننے پر مجبور تھا۔ بوا ڈھیروں نصیحتوں کے بعد اسٹیشن روانہ ہوئیں۔
''اس نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا۔ بھوک تو لگی ہوگی۔ پھر بھی تم اصرار کر کے کھلا دینا۔'' ٹیکسی میں بیٹھتے بیٹھتے آخری نصیحت کی تھی۔
''دروازہ بند کرلو۔'' سرد سا لہجہ سماعتوں کو ٹھٹھرا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ ولید باہر کی طرف جا چکا تھا۔ اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ تقدیر نے یہ کس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ تو ولید احمد کے سائے سے بھی گھبراتی تھی، کجا عمر بھر کا ساتھ، وہ جتنا سوچتی، پریشانی بڑھتی جاتی۔ خالہ کی اچانک وفات نے زندگی میں ایک خلا پیدا کر دیا تھا جو شاید کبھی بھی نہ بھر پاتا۔ خالہ ہی اس کی سب کچھ تھیں۔ ماں بھی، باپ بھی، دوست بھی اور بہن بھی۔ اسے یاد تھا وہ دن جب وہ پہلی بار خالہ کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی۔ امی، بابا حج کرنے گئے تھے۔ شہزین کا ویزا بروقت نہ لگ سکنے کی وجہ سے امی نے اسے خالہ کے ہاں چھوڑ دیا تھا۔ تب وہ سات برس کی تھی۔
''امی! یہ گڑیا ہے؟'' نو سالہ حارث نے چھوٹتے ہی تصدیق کی تھی۔ وہ شہزین کو پورے تین برس کے بعد دیکھ رہا تھا۔ اس لیے پہچان نہیں پا رہا تھا۔
''جی بیٹا! یہ گڑیا ہے۔ وہی سرمئی آنکھوں اور سنہری بالوں والی۔'' خالہ نے پیار سے بیٹے کی طرف دیکھا جواب بڑے جوش سے شہزین کو دیکھ رہا تھا۔ بڑی بڑی سرمئی آنکھوں کو پٹپٹاتی وہ واقعی گڑیا لگ رہی تھی۔ وہ چھوٹی سی تھی۔ جب چار سالہ حارث نے اسے دیکھتے ہی اس کا نام گڑیا رکھ دیا تھا۔ وہ جب بھی خالہ کے گھر جاتا گڑیا کے ساتھ ہی کھیلتا رہتا۔ ہر وقت ہنسنے مسکرانے والی صحت مند سی شہزین اسے بے حد اچھی لگتی تھی۔ پھر خالہ ملتان شفٹ ہو گئیں تو وہ منہ بسور کر رہ گیا کہ اب پہلے کی طرح ہر ہفتے خالہ کے گھر نہیں جا سکتا تھا مگر اب جبکہ گڑیا سات برس کی ہو چکی تھی وہ اسے اپنے روبرو دیکھ رہا تھا۔
''یہ اب ہمارے ساتھ رہے گی؟'' حارث کے پوچھنے پر نزہت نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ خوشی سے اچھلتا شہزین کا ہاتھ تھامے اندر کی طرف دوڑ گیا۔
''چاچو! چاچو! دیکھیں گڑیا اب ہمارے ساتھ رہے گی۔'' خالہ کچن میں جا چکی تھیں جبکہ حارث اس کا ہاتھ تھامے ولید احمد کے کمرے کا دروازہ بجا رہا تھا۔ تبھی کھٹاک سے دروازہ کھلا۔
''کیا مصیبت ہے، کیوں شور مچا رکھا ہے؟'' یہ سات سالہ شہزین احسان کی پندرہ سالہ ولید احمد سے پہلی ملاقات تھی۔ ولید کے غرّانے پر وہ گھبرا کر حارث کے پیچھے چھپ گئی تھی۔
''چاچو! گڑیا ڈر رہی ہے۔'' شہزین کی نسبت حارث خاصا پر اعتماد تھا۔ دونوں کو گھورتے ہوئے ولید واپس اندر مڑ چکا تھا۔ خالہ، خالو، حارث سبھی بہت اچھے تھے سوائے ولید احمد کے جسے دیکھتے ہی اس کی روح فنا ہونے لگتی تھی۔ ایک بار جب وہ اور حارث خوب اچھل کود کر رہے تھے تب ولید سخت غصے میں اندر سے برآمد ہوا تھا۔ حارث تو دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا جبکہ وہ مارے ڈر کے پتھر کی ہو گئی تھی۔
''کیوں شور کر رہی تھیں؟'' ولید نے ڈانٹا تو وہ سسک اٹھی۔ ''رو کیوں رہی ہو؟ میں نے تمہیں مارا

ہے کیا؟'' اس کا دایاں بازو تھام کر ذرا سا جھٹکا تو اس کی سسکیوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ جس پر وہ جھلاتا ہوا واپس اندر چلا گیا۔ وہ ولید سے اتنی خائف ہو گئی تھی کہ چاہتے ہوئے بھی خالہ سے اس کی شکایت نہ کر پاتی تھی۔ اس نے کبھی بھی ولید کو ہنستے بولتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ رہتا تھا۔ ہمہ وقت اپنے کمرے میں گھسا رہتا۔ اسے خالہ کے ہاں رہتے ہوئے ایک ماہ سے اوپر ہو گیا تھا۔ خالہ بھی اب پہلے کی طرح ہنستی بولتی نہیں تھی۔ ہر وقت چپکے چپکے روتی رہتیں۔ کبھی روتے روتے شہزین کو کھینچ کر سینے سے لگا لیتیں تو ایسے میں وہ گھبرا جاتی۔
''خود کو سنبھالو نزہت! دیکھو بچی پریشان ہو رہی ہے۔'' خالو ایسے میں خالہ کو تسلی دیتے۔ وہ ٹکر ٹکر دونوں کو دیکھتی جاتی۔ ایک بار جب حسب معمول وہ حارث کے ساتھ مل کر شور مچا رہی تھی جب ولید وہاں چلا آیا۔
''کیا مصیبت ہے یہ گھر ہے یا چڑیا گھر؟ دو گھڑی بندہ سکون سے پڑھ بھی نہیں سکتا۔'' وہ ڈانٹ رہا تھا۔ شہزین گھبرا کر رونے لگی۔ تبھی خالہ دوڑ کر آئیں۔
''کچھ تو شرم کرو ولید! تمہارے دل میں ذرا رحم نہیں آتا۔ بن ماں باپ کی بچی کو ڈانٹتے ہوئے۔'' یہ کہتے ہی وہ منہ پر دوپٹہ رکھ کر رو پڑی تھیں۔ ولید کے چہرے کے تاثرات یکلخت بدلے تھے۔ وہ واپس مڑ گیا۔
''ڈنگ ڈونگ۔'' ڈور بیل کی آواز پر اس کی سوچیں منتشر ہوئیں۔ وہ گھبرا کر باہر کی طرف دوڑی۔ دروازہ کھولا تو ولید تھا۔
''سو گئی تھیں کیا؟ اتنی دیر سے بیل بجا رہا ہوں اور بنا پوچھے دروازہ کیوں کھولا؟'' گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ عجیب شخص تھا۔ دو الگ الگ باتوں پر ایک ہی جملے میں ڈانٹ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔
''یہ کھانا پلیٹوں میں نکالو۔ میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔'' دو لفافے اس کو تھماتے ہوئے وہ خود واش بیسن کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے آنے تک شہزین کچن میں پڑی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا چکی تھی۔
''تم کہاں جا رہی ہو؟'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔ اسے کچن سے باہر جاتے دیکھ کر گھرکا۔
''مم...... مجھے بھوک نہیں ہے۔'' آواز خود بخود رونی سی ہو گئی تھی۔
''بیٹھو ادھر اور کھانا کھاؤ۔ یہ اتنا سارا کھانا میں اپنے لیے نہیں لایا۔'' اس کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ شہزین ڈر کے مارے بیٹھ تو گئی تھی مگر اس کے سامنے حلق سے کچھ نیچے اتر ہی نہ رہا تھا۔ وہ بے نیاز بنا کھاتا رہا۔ ایک بار کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔
''اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ چائے میرے کمرے میں دے جانا اور سنو۔'' کھانا کھا کر اٹھتے ہوئے وہ بولا۔ ''میں جا رہا ہوں۔ اب آرام سے کھانا کھا لینا۔'' اس کے جانے کے بعد ہی شہزین کی سانسیں بحال ہوئیں۔ اس وقت اسے شدید رونا آ رہا تھا۔ مگر رونے کا پروگرام ملتوی کر کے جلدی جلدی چائے کا پانی دم پر رکھا۔ کھانا سمیٹ کر فریج میں رکھ دیا۔ اس کا کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ دو کپ چائے کے بنائے۔ ایک کپ لے کر اس کے کمرے تک گئی۔ دستک دیتے ہی دروازہ کھل گیا تھا۔ خاموشی سے چائے کا کپ اسے پکڑایا اور پلٹ آئی۔ چائے، بسکٹ اور سر درد کی گولی لے کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ تکیے پر سر رکھتے ہی اس کے کب سے رکے آنسو بہہ نکلے۔ یہ واحد جگہ تھی جہاں

وہ کھل کر رو سکتی تھی۔

❀❀❀

اسے خالہ کے پاس رہتے ہوئے تین ماہ ہو گئے تھے۔ اب تو وہ بھی امی، بابا کے لیے اداس ہو گئی تھی۔ جب بھی وہ خالہ سے پوچھتی تو وہ نظریں چرانے لگتیں۔ ایک دن تو وہ خوب روئی، ضد کی کہ اسے ہر صورت امی، بابا کے پاس جانا ہے تب خالو جان نے بڑے پیار سے سمجھایا کہ امی بابا اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔

"مگر وہ مجھے یہاں چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟"

"آپ کے لیے ڈھیر سارے کھلونے لینے گئے ہیں۔"

"اور چاکلیٹس بھی؟" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ وہ خالہ اور خالو دونوں کے دل گداز کر دیتی۔

"خالو جان! بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ اللہ کے گھر جا رہے ہیں۔ تو کیا اب وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے؟"

"جی میری جان! اللہ میاں کو ان سے بہت پیار ہے نا۔ اس لیے انہیں اپنے پاس بلا لیا ہے۔"

"تو کیا اللہ میاں کو مجھ سے پیار نہیں ہے؟" اس نے معصومیت سے کہا تو خالہ نے تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ حارث کے اسکول میں ہی اس کا داخلہ کروا دیا گیا۔ وہ حارث کے ساتھ بہل گئی تھی۔ چند برس آگے سرک گئے۔ وہ اب بارہ برس کی تھی اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ مناسک حج کی ادائیگی کے دوران منیٰ میں خیموں میں آگ لگنے سے اس کے امی، بابا شہید ہو گئے تھے۔

وہ شروع سے ہی کم گو اور دبو سی تھی۔ اب بھی چپکے چپکے امی، بابا کو یاد کر کے روتی رہتی۔ خالہ البتہ ہر دم اس کی دل جوئی میں مصروف رہتیں۔ خالو بھی بے حد پیار کرنے والے انسان تھے۔ حارث سے تو اس کی ہر دم لڑائی رہتی تھی۔ وہ بے حد چلبلا اور شریر تھا۔ جان بوجھ کر اسے ستاتا رہتا۔ وہ خالہ سے شکایت کرتی تو وہ ڈھیٹ بن کر ہنستا رہتا۔ ولید احمد سے البتہ وہ شروع دن سے خائف تھی۔ وہ بہت خشک مزاج اور سنجیدہ طبیعت کا مالک تھا۔ گھر کے کسی فرد سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ حارث خود ہی زبردستی چاچو، چاچو کرتا اس کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ شہزین نے نوٹ کیا تھا وہ خالو کو زیادہ پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں بھائیوں میں انسیت کا کوئی رشتہ ہی نہ تھا۔ خالہ کا رویہ بھی بس لیا دیا سا ہوتا تھا۔ یہ عقدہ بعد میں کھلا کہ ولید احمد اور خالو جان (شہاب احمد) سگے بھائی نہیں تھے۔ شہاب احمد کے والد نے ولید کی والدہ سے بہت بعد میں شادی کی تھی۔ ان دنوں وہ بے حد پریشان رہا کرتے تھے۔ پھر ایک روز وہ گھر آئے تو چھ سالہ ولید ان کے ساتھ تھا۔ اس وقت شہاب احمد کی شادی کو ایک سال کا عرصہ ہوا تھا۔ حارث پیدا ہونے والا تھا۔ ولید کی ماں کو کینسر تھا جس کی وجہ سے وہ جانبر نہ ہو سکی تھیں۔ شہاب احمد کی والدہ نے رو پیٹ کر ولید احمد کو قبول تو کر لیا تھا مگر دل میں جگہ نہ دے سکی تھیں۔ کچھ یہی حال شہاب احمد کا تھا۔ نزہت کو چھ سالہ ولید سے کوئی پرخاش نہ تھی مگر ان کے شوہر اور ساس کو اچھا نہ لگتا تھا کہ وہ ولید کا زیادہ خیال رکھیں۔ پھر حارث پیدا ہوا تو خود بخود سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ ولید بارہ برس کا تھا جب باپ بھی چل بسا۔ وہ بالکل تنہا ہو گیا تھا۔ مرتے وقت باپ نے نصیحت کی تھی کہ اسے بہت سا پڑھنا ہے۔ چاہے کیسے بھی حالات ہوں۔ وہ پڑھائی جاری رکھے گا۔ جائیداد بھی دونوں بیٹوں میں برابر تقسیم کر دی جس پر شہاب احمد پیچ و تاب کھا کر رہ

گئے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ باپ کی ساری جائیداد پر ان کا حق ہے۔ ولید کے نام بینک میں فکسڈ ڈپازٹ میں رقم بھی تھی جس سے ہر ماہ معقول منافع ملتا تھا۔ ولید بے حد سمجھدار لڑکا تھا۔ وقت نے اسے بہت پہلے ہی بڑا کر دیا تھا۔ وہ دن رات اپنی پڑھائی میں مصروف رہتا۔ سوتیلی ماں کے مرنے کے بعد ہی اسے تھوڑا سا سکھ ملا کیونکہ شہاب احمد کا رویہ پہلے سے کافی بہتر ہو گیا تھا اور نزہت بھی ولید کا خیال رکھنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرتیں مگر ولید کے دل میں اس گھر کے کسی فرد کے لیے محبت نہ تھی حتیٰ کہ اسے حارث بھی پسند نہ تھا۔ سختی اور روکھا پن اس کے مزاج کا حصہ بن چکے تھے۔ وہ ان دنوں میٹرک کے امتحانوں کی تیاری کر رہا تھا جب شہزین یہاں آئی تھی۔ وہ اکثر اسے جھڑک کر رکھ دیتا مگر وہ اتنی معصوم تھی کہ ہر بار اسے ڈانٹنے کے بعد ولید کو افسوس ہونے لگتا۔ بڑی بڑی سُرمئی آنکھوں میں پانی بھر آتا تو وہ دل ہی دل میں نادم ہونے لگتا۔ حارث بہت ہنگامہ خیز طبیعت کا مالک تھا۔ شہزین کو ستاتا اور ایسے میں دونوں کی چیخ وپکار پر ولید سلگ اٹھتا۔ میڈیکل کی ٹف پڑھائی پوری توجہ اور یکسوئی مانگتی ہے اور اس شور و غل میں وہ ٹھیک سے پڑھ نہ پاتا تھا۔ ولید کا میڈیکل کا آخری سال چل رہا تھا اور وہ دن رات ایک کیے پڑھنے میں مصروف تھا۔ شہزین ان دنوں میٹرک کی طالبہ تھی۔

"شہزی! بیٹا ذرا ولید کے کمرے میں جا کر اس کی الماری چیک کرو۔ حارث کی نئی شرٹ اس کے کپڑوں میں تو نہیں رکھ دی۔ شام کو اس کے کالج میں پارٹی ہے اور یہ لڑکا تو میری جان کو آ جائے گا۔" نزہت کافی دیر سے حارث کی نئی شرٹ تلاش کر رہی تھیں۔ شہزین تخت پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف تھی۔

"خالہ آپ خود دیکھ لیں نا۔ ولید چاچو آ گئے تو مجھے جان سے مار دیں گے۔"

"ارے کچھ نہیں کہتا۔ تم جا کر دیکھو تو سہی۔ میں اتنی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر نہیں جا سکتی۔" خالہ کے کہنے پر ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ ڈرتے ڈرتے ولید کے کمرے میں قدم رکھا۔ شکر ہے وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ الماری کے دونوں پٹ کھولے حارث کی شرٹ تلاش کر رہی تھی جب ولید کی آواز پر اچھل پڑی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" آواز تھی کہ صورِ اسرافیل، ہاتھ سے کپڑے چھوٹ کر زمین پر جا گرے۔

"وہ......وہ مم......میں......میں......"

"کیا میں میں لگا رکھی ہے۔ تم نے کس کی اجازت سے میری وارڈروب کو ہاتھ لگایا ہے؟"

"وہ خالہ نے کہا......" باقی کے الفاظ حلق میں ہی اٹک گئے۔

"گیٹ لاسٹ۔ میں نے کتنی بار کہا ہے کہ میرے کمرے میں نہ آیا کرے کوئی۔" وہ ایسا ہی بے مروت انسان تھا۔ وہ بمشکل اپنے آنسو پیتی باہر نکل گئی۔

"کیا ہوا۔ ملی شرٹ؟" خالہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔" مختصر جواب دے کر وہ باہر لان میں چلی آئی۔

"کیا ہوا؟ منہ پر بارہ بلکہ تیرہ کیوں بجے ہوئے ہیں؟" حارث نے اس کی پونی کھینچتے ہوئے پوچھا تو وہ بلبلا اٹھی۔

"اف! حارث کے بچے۔ بالکل جنگلی ہو تم۔" شہزین نے زوردار چپت اس کے بازو پر رسید کی تو جواباً وہ ہنسنے لگا۔

"آج پھر چاچو سے ڈانٹ پڑی ہے۔" اس کے

بالکل درست اندازے پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ ''ہم تو ایکسپرٹ ہو چکے ہیں۔ مانتی ہونا ہماری نظر شناسی کو۔'' وہ فرضی کالر جھاڑنے لگا۔

''شٹ اپ۔ یہ سب بھی صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''نہ میں تمہاری وہ منحوس شرٹ ڈھونڈنے ان کے کمرے میں جاتی اور نہ مجھے ان کی باتیں سننا پڑتیں۔''

''کون سی شرٹ؟''

''وہی پنک شرٹ جو آج شام کو تم نے پہننی ہے۔''

''اچھا وہ...... وہ تو میرے ایک دوست نے مانگی تھی۔ اس کے پاس ہے اور آج شام کے لیے تو میں نئی شرٹ لے کر آیا ہوں۔ یہ دیکھو۔'' حارث نے ہاتھ میں پکڑا شاپر لہرایا تو وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

''تم کبھی نہیں سدھرو گے۔ خالہ بے چاری خوا مخواہ صبح سے ہلکان ہوئی جا رہی ہیں۔'' وہ ہنستا بہت تھا۔ اب بھی قہقہے لگاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ادھر ولید کے فائنل ایگزامز ختم ہوئے۔ ادھر شہاب احمد ہارٹ اٹیک کے بعد جانبر نہ ہو سکے۔ شہاب احمد کی موت ولید کو حارث اور نزہت کے قریب لے آئی تھی۔ کسی کے کہے بغیر ہی ولید احمد نے اس گھر کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھالی تھی۔ حارث جس طرح بے اختیار ہو کر ولید کے گلے لگ کر رویا تھا۔ ولید کا دل بھی گداز ہونے لگا تھا۔ شہزین خود بھی روتی جاتی اور نزہت کو دلاسہ دینے کی بھی کوشش کرتی۔ رفتہ رفتہ سب معمول پر آ گیا۔ شہاب احمد ایک سرکاری ادارے میں گریڈ اٹھارہ کے افسر تھے۔ گھر میں خوشحالی تھی۔ باپ نے جو جائیداد چھوڑی تھی۔ ان میں مکانات، دکانیں اور زمینیں تھیں۔ ولید کے نام جو مکانات اور دکانیں تھیں۔ ان سب کا کرایہ بھی آتا تھا۔ ولید کی ہاؤس جاب شروع ہو چکی تھی۔ چھ ہزار ماہانہ اسے ملتا تھا۔ بینک سے منافع ملتا تھا۔ کل ملا کر اتنا ہو جاتا تھا کہ گھر ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔ حارث کو بیرون ملک جا کر پڑھنے کا شوق تھا مگر شہاب احمد کی ناگہانی وفات نے سب خواب چکنا چور کر دیے تھے۔ حارث بہت گم صم رہنے لگا تھا۔ حارث کے شوق کو دیکھتے ہوئے ولید نے اس کو باہر بھیجنے کا پروگرام بنایا۔ شہاب احمد کے آفس سے ملنے والی ڈیتھ گرانٹ کا پیسہ اور حارث کے نام جائیداد کے بکنے کے بعد اتنی رقم ہو گئی تھی کہ نہ صرف حارث کو امریکہ بھیجا جا سکتا تھا بلکہ وہاں پر ایڈمیشن بھی مل گیا۔ حارث اے لیولز میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوا تھا۔

''بس ایک بار میں امریکہ چلا جاؤں۔ اپنی پڑھائی کا خرچ پارٹ ٹائم جاب کر کے نکال لوں گا۔'' حارث دن رات منصوبے بناتا رہتا اور شہزین خاموشی سے سنتی رہتی۔

''حارث تم چلے جاؤ گے تو میں کیا کروں گی؟''

''مجبوری ہے تمہیں میرے بنا جینے کی عادت ڈالنی ہو گی۔'' وہ ڈائیلاگ مارتا تو شہزین اسے کشن دے مارتی۔ نزہت حارث کو خود سے دور نہیں بھیجنا چاہتی تھیں مگر بیٹے کے شوق کے آگے مجبور ہو گئیں۔

''وہاں جا کر خوب پڑھائی کرنا اور دیکھو وہاں جا کر کسی میم شیم کے چکر میں نہ پڑ جانا۔ تجھ پر صرف میری شہزین کا حق ہے۔'' نزہت حارث سے کہہ رہی تھی۔ اور باہر کھڑی شہزین ایک الگ سے احساس سے دوچار ہوئی تھی۔ حارث کے لیے اس طرح سوچنا عجیب لگ رہا تھا۔ پھر ابھی تو وہ بہت چھوٹی تھی۔

پندرہ سولہ برس کی ایک نوعمر لڑکی جس نے ابھی ابھی خوابوں کی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ جو ابھی ابھی گڈے گڑیا کی شادی کرنے کی عمر سے نکلی تھی اور خود کو اس گڑیا کی جگہ پر رکھ کر سوچنے لگی تھی۔

''ارے امی! میں کوئی پاگل ہوں جو اپنی گڑیا کسی اور کو دے دوں۔'' وہ ہنسا تو شہزین کے اندر ہلچل سی مچ گئی تھی۔

''اے! تم یہاں چوری چھپے ہماری باتیں سن رہی تھیں؟'' بالکل اچانک وہ سر پر آ کر بولا تو شہزین چونک گئی۔ پہلی بار اسے حارث سے عجیب سی جھجک محسوس ہوئی۔

''نن...... نہیں تو۔'' وہ گھبرا سی گئی تو اس کی کیفیت کو محسوس کر کے حارث نے جاندار قہقہہ لگایا۔ وہ جھینپ کر باہر بھاگ گئی۔

حارث کے جانے سے پہلے نزہت نے ایک چھوٹی سی تقریب میں اسے حارث کے نام کی انگوٹھی پہنا دی۔ ہلکے فیروزی اور بے بی پنک کرتے پاجامے میں وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ ولید نے شاید پہلی بار شہزین کو غور سے دیکھا تھا۔ کچی عمر کا الہڑ پن اور دوشیزگی اس کے حسن کو مزید جلا بخش رہی تھی۔ ولید کی نگاہیں اس کی صبیح پیشانی پر دمکتے ٹیکے سے الجھنے لگیں۔ تبھی اس نے شدومد سے سر جھٹکا تھا۔ تقریب کے اختتام پر وہ اوپر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا جب تیزی سے سیڑھیاں اترتی شہزین بری طرح اس سے ٹکرائی تھی۔ گرل کو تھام نہ لیتا تو وہ شہزین سمت زمین بوس ہو چکا ہوتا۔

''کیا وحشت ہے۔ دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔'' اس کا مخصوص اکھڑ انداز اور سرد لہجہ عود کر آیا۔ ہمیشہ کی طرح وہ خوفزدہ ہو گئی۔

''سوری ولید چاچو۔ وہ حارث مجھے تنگ......'' کچھ کہتے کہتے زبان دانتوں تلے دبا گئی۔ چہرے پر بکھرے دھنک رنگ ولید کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکے۔

''اسٹوپڈ۔'' زیر لب بڑبڑاتا وہ آگے بڑھ گیا۔

حارث کے جانے کے بعد شہزین بے حد اداس رہنے لگی تھی۔ پہلے حارث کے ساتھ نوک جھوک سے گھر میں زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ اب تو گھر پر خاموشیوں کا راج تھا۔ ولید کی جاب بہت ٹف تھی۔ اکثر وہ دو دو دن تک گھر نہ آ پاتا تھا۔ ہاؤس جاب کی ڈیوٹیاں تھکا دیتی تھیں۔ گھر آتا بھی تو اپنے کمرے تک کا محدود رہتا۔ نزہت شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ شہاب احمد کے بعد تو وہ ویسے بھی بہت اداس رہنے لگی تھیں۔ حارث کے فون آتے رہتے تھے۔ شہزین اس کی طرف سے کسی میٹھی سی بات، شریر سی سرگوشی کی منتظر رہتی مگر وہ ستانے اور تپانے والی باتیں کرتا تھا۔ مزے لے لے کر گوریوں کی خوب صورتی کا ذکر کرتا تو وہ جل کر رہ جاتی اور وہ ڈھیٹ بنا ہنستا رہتا۔ حارث کو گئے ہوئے دو سال ہو گئے تھے۔ خالہ اب اکثر بیمار رہنے لگی تھیں۔ شہزین نزہت کے ساتھ ہی سویا کرتی تھی۔ اسے اکیلے میں ڈر لگتا تھا۔

اس رات اچانک نزہت کی طبیعت بگڑ گئی۔ ان کا جسم پسینے سے شرابور تھا اور وہ سینے پر بائیں طرف ہاتھ رکھے درد سے دہری ہو رہی تھیں۔ شہزین کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ ننگے پیر وہ سرپٹ دوڑتی ولید کے کمرے کی طرف گئی۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا۔ ایف۔ سی۔ پی۔ ایس پارٹ ون کے ایگزامز دینے کے بعد سرکاری ہسپتال میں پی۔ جی۔ آر شپ کر رہا تھا۔ شہزین نے دونوں ہاتھوں سے دروازے کو پیٹ ڈالا۔ تبھی دروازہ کھلا اور وہ سرخ ڈوروں والی آنکھیں لیے نمودار ہوا۔

''کیا آفت آگئی ہے؟''

''وہ...... خالہ...... انہیں کچھ ہوگیا ہے۔'' آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔ ولید نے نزہت کو چیک کرنے کے بعد انجکشن دے دیا تھا۔ معمولی سا انجائنا کا اٹیک تھا۔ ولید کرسی کھینچ کر نزہت کے بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد انہیں چیک کرنا ضروری تھا۔

''تم جا کر برابر والے کمرے میں سو جاؤ۔ میں یہاں ہوں بھابی کے پاس۔''

''نہیں۔ میں یہیں خالہ کے پاس رہوں گی۔'' ایک انجانا سا خوف اسے گھیرے ہوئے تھا۔ اسے لگا وہ خالہ کو بھی کھو دے گی۔

''میں جو کہہ رہا ہوں۔ ابھی بہت رات پڑی ہے تم جا کر سو جاؤ۔'' ولید نے گھورا۔

''ولید چاچو پلیز۔ مجھے یہاں خالہ کے پاس رہنے دیں۔'' وہ معصوم سے لہجے میں بولتی ولید کو خاموش رہنے پر مجبور کر گئی۔ ولید نے دیکھا کہ اس کی موجودگی کی وجہ سے شہزین ایزی ہو کر بیٹھ نہ پا رہی تھی۔ کبھی کندھے پر سے ڈھلکتا دوپٹہ ٹھیک کرنے لگتی تو کبھی پنکھے کی ہوا سے اڑتی بالوں کی لٹوں کو کانوں سے پیچھے اڑسنے لگتی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

''میں باہر لاؤنج میں ہوں۔ کوئی گڑبڑ ہو تو مجھے بلا لینا۔'' اس کے جانے کے بعد ہی شہزین پرسکون ہو کر بیٹھ پائی تھی۔ صبح تک نزہت کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ ولید کے اسپتال جانے کے بعد وہ سارا دن خالہ کی تیمارداری میں لگی رہی تھی۔

دن اسی معمول سے گزر رہے تھے۔ شہزین انٹر کے امتحان کی تیاری کر رہی تھی۔ ولید کی وہی روٹین تھی۔ صبح کا گیا شام کو لوٹتا۔ اکثر تو نائٹ ڈیوٹیز کی وجہ سے رات رات بھر گھر نہیں آتا تھا۔ اس روز شہزین کے کالج کی وین مس ہوگئی تو وہ پیدل ہی چل پڑی۔ کالج میں پریکٹیکل چل رہے تھے اور وہ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ صبح آٹھ سوا آٹھ کا وقت تھا۔ گلیوں میں زیادہ چہل پہل نہ تھی۔ ابھی وہ گھر والی سڑک کے موڑ تک ہی پہنچی تھی جب دو لڑکوں نے اس کا راستہ روک لیا۔

''کک...... کیا بات ہے؟'' وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔

''ارے! یہ تو چڑیا کی طرح سہم گئی ہے۔'' دونوں لڑکے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہے لگانے لگے۔ شہزین سائیڈ سے ہو کر جانے لگی تو وہ آگے آگئے۔

''میری سرکار! کچھ دیر رکیں تو سہی۔''

''تو اور کیا۔ ابھی تو دید کی پیاس بھی نہیں بجھی۔'' وہ لڑکا لوفرانہ انداز میں دوسرے کو آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ مارے گھبراہٹ کے شہزین کی آنکھیں بھرا گئیں۔ تبھی سامنے سے آتی گاڑی ایک جھٹکے سے وہاں رکی تھی۔ گاڑی میں سے نکلتے شخص کو دیکھ کر دونوں لڑکے دم دبا کر بھاگے تھے۔

''کون تھے یہ؟'' سرد سے لہجے میں دریافت کیا۔

''پپ...... پتا نہیں۔'' آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

''تم گھر سے اکیلی کیوں نکلیں؟'' اس کا لہجہ اتنا کرخت تھا کہ شہزین کو اپنا دم نکلتا ہوا محسوس ہوا۔

''وہ...... وین چھوٹ گئی تو......''

''کالج جانا اتنا اہم تھا۔ ایک دن کی چھٹی نہیں کر سکتی تھیں۔'' وہ نائٹ ڈیوٹی بھگتا کر آرہا تھا۔ صبح صبح ہی دماغ خوب تپا ہوا تھا۔

''میرا...... پریکٹیکل...... تھا۔'' بڑی بڑی سرمئی آنکھیں برسنے کو بے تاب تھیں۔

''اچھا اب رونے مت بیٹھ جانا۔ چلو میں چھوڑ دیتا ہوں۔'' اور وہ ڈرتے ڈرتے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ اس واقعے کے بعد ولید نے اسے گھر سے تنہا نکلنے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ خود بھی ڈر گئی تھی۔ امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد تین ماہ کی طویل چھٹیاں تھیں جن میں نزہت نے اسے گھرداری میں طاق کر دیا تھا۔ اسے خود بھی کوکنگ سے دلچسپی تھی۔ اس لیے یہ سب گراں نہیں گزرتا تھا۔ اس بورنگ روٹین میں حارث کا فون یا خط خوشگوار جھونکا محسوس ہوتا تھا۔ شہزین کئی کئی دن تک اس کی فون پر کی گئی کسی میٹھی سی بات کے سحر ڈوبی میں رہتی تھی۔

پڑوس میں شادی تھی جس میں اسے شرکت کرنا تھی۔ بینا اس کی کلاس فیلو بھی تھی۔ مہندی میں تو خوب ہلا گلا ہوا تھا۔ وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ وہاں تقریب میں ہی کئی لوگوں نے اسے پسند کر لیا مگر نزہت خالہ بڑے فخر سے سب کو بتا رہی تھیں کہ وہ ان کے حارث کی منگیتر ہے۔ بارات میں شرکت کرنے کے لیے اس نے شاکنگ پنک اور چائنہ فیروزی کلر کا چوڑی دار پاجامہ، قمیص اور تین گز کا دوپٹہ زیب تن کیا تھا۔ اتنے لمبے دوپٹے کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ دوپٹے سے الجھتی خود میں مگن خالہ کو بلانے ان کے کمرے کی طرف جا رہی تھی جب سامنے سے آتے ولید سے ٹکرا گئی۔

''یا وحشت! یہ تم ہر وقت اندھے بیل کی طرح مجھ سے کیوں ٹکراتی رہتی ہو؟''

''سوری ولید چاچو...... میں......'' اس سے پہلے کہ اس کی بات مکمل ہوتی۔ وہ آگے بڑھ گیا تھا مگر یہ کیا؟ دوپٹے کا پلو بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ وہ تورا کر پلٹا تھا۔ دوپٹے کے پلوؤں پر لگے ننھے ننھے گھنگروؤں میں سے ایک اس کی شرٹ کے بٹن سے الجھ گیا تھا۔

شہزین کا تو خون خشک ہوگیا جیسے یہ سب اسی کی غلطی ہو۔

''کیا بیہودگی ہے۔'' جھٹکے سے دوپٹے کو شرٹ کے بٹن سے جدا کیا تو کئی گھنگھرو ٹوٹ کر فرش پر بکھر گئے۔

''اتنے بڑے تھان کا دوپٹہ بنا ڈالا۔ کچھ کپڑے سے آستینوں کو ہی مکمل کر لینا تھا۔'' غصے سے کہتے ہوئے وہ اس کی آدھی آستینوں والی قمیض پر چوٹ کر گیا۔ اس کے جانے کے بعد شہزین نے ڈبڈبائی نظروں سے نیچے فرش پر بکھرے گھنگھروؤں کو دیکھا۔

❀❀❀

''خالہ! خالہ! مجھے پتا ہے کہ آپ جاگ رہی ہیں۔'' شہزین ہاتھ میں سوپ کا پیالہ لیے اندر داخل ہوئی تو نزہت اسے دیکھ کر سوتی بن گئیں۔

''خالہ! اٹھیں نا۔ کھانے سے بھلا کیسی ناراضگی۔'' سوپ کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ خالہ کے سرہانے بیٹھ گئی۔ شہزین نے دیکھا ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''مجھے معاف کر دے میری بچی۔'' ضبط کا بندھن چھوٹ گیا اور وہ سسک اٹھیں۔

''خالہ پلیز۔ ایسے مت کہیں۔''

''حارث۔ تو نے تو مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے۔'' کل سے اٹھتے بیٹھتے خالہ کے لبوں سے یہی الفاظ نکلتے تھے۔ حارث نے امریکہ میں شادی کر لی تھی۔

''امی! وہ بہت خوب صورت اور دولت مند ہے۔ میری پوری فیملی کو سپورٹ کرنے کو تیار ہے۔ بس میں ٹکٹ بھجوا رہا ہوں۔ آپ فوراً آجایئے۔'' لفظوں کی سنگ باری کرتے ہوئے اسے اتنا احساس تک نہ ہوا کہ اس کے الفاظ کسی کے دل کو بری طرح چیر رہے

تھے۔ لاؤڈ اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے وہ بخوبی اس کے خیالات سے مستفید ہورہی تھی۔

”دماغ خراب ہوگیا ہے تیرا۔ میں کہتی ہوں بھاڑ میں جائے یہ پڑھائی۔ فوراً پاکستان پہنچو۔“ نزہت کو بےحد غصہ آرہا تھا۔

”امی...... امی! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایسے گولڈن چانس بار بار نہیں ملا کرتے۔“

”اور شہزین؟ اُس کا کیا ہوگا یہ بھی سوچا تم نے؟“ شہزین کا دل دھڑک اٹھا۔ دوسری طرف ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

”منگنی ہی ہوئی تھی نا۔ ٹوٹ بھی سکتی ہے۔ آپ اسے ساتھ لے کر میرے پاس امریکا آجائیں۔ میرے پاس دولت آجائے گی تو ہم اس کی شادی کسی امیر گھرانے میں کردیں گے۔“ شہزین پر تو یہ سن کر گویا سکتہ طاری ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔

”چپ کر جا بےغیرت۔ دولت نے تجھے اتنا گرا دیا ہے کہ تو......“ نزہت کے الفاظ آنسوؤں میں کہیں گم ہوگئے۔

”افوہ امی! میں شادی ہی کررہا ہوں نا۔ پھر اس میں اتنا واویلا مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ ماریہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ آپ اس سے ملیں گی تو......“

”بس بس۔ مجھے ضرورت نہیں ہے کسی سے ملنے کی۔ تم خود مختار ہو۔ جو جی میں آئے کرو۔“ نزہت نے فون بند کردیا۔ ولید گھر آیا تو نزہت کو زور وشور سے روتا دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

”بھابھی! کیا ہوا؟ آپ اس طرح کیوں رو رہی ہیں؟“

”وہ...... حارث......“

”کیا ہوا حارث کو......؟“ وہ حقیقتاً پریشان ہوگیا۔

”اس نے مجھے جیتے جی مار ڈالا ولید۔ ایسی نافرمان اولاد سے تو بےاولاد ہونا بہتر ہے۔“

”کیا کیا ہے اس نے؟“

”شادی کررہا ہے وہاں۔ کہتا ہے شہزین سے شادی نہیں کرنی۔“

”بھابھی۔ اگر اس کی مرضی نہیں ہے تو پھر زبردستی کرنے کا فائدہ؟“

”ٹھیک ہے مگر انکار کا کوئی معقول جواز بھی تو ہو۔ وہ وہاں کسی فرنگن سے شادی کررہا ہے۔ صرف دولت کی خاطر۔“ وہ مسلسل رو رہی تھیں۔ ”ولید تم اس سے بات کرو نا۔ اسے سمجھاؤ۔ تمہاری تو وہ سنتا ہے۔“ نزہت کے کہنے پر ولید نے حارث سے بات کی مگر اس کے تو تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔

”ولید چاچو پلیز۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ اس میں مت بولیں۔“ لحاظ اور مروت کی سب حدود وہ پار کرچکا تھا۔ ولید کی جگہ کوئی کم ظرف ہوتا تو یہ جتانے سے نہ چوکتا کہ آج اگر وہ امریکا میں بیٹھا ہے تو صرف اس کی کوششوں سے۔ مگر وہ ولید احمد تھا۔ حارث کے رویے پر اس کا خون کھول اٹھا۔ محض چار برسوں میں وہ اس حد تک بدل جائے گا۔ اندازہ نہ تھا۔ حارث نے نزہت کو دوبارہ فون کیا تو انہوں نے دوٹوک کہہ دیا کہ وہ ماں یا دولت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلے اور وہ ایسا بدبخت نکلا کہ فقط ”جیسے آپ کی مرضی“ کہہ کر سارے رابطے منقطع کردیے۔ کل سے نزہت بستر پر پڑی تھیں۔

شہزین کو جتنے آنسو بہانے تھے۔ بند کمرے میں بہا لیے۔ خالہ کے سامنے وہ بالکل فریش نظر آنے کی کوشش کرتی تھی مگر اس کی سرخ سرخ آنکھیں سارا پول کھول دیتی تھیں۔ گھر میں سناٹے راج کرنے

لگے تھے۔ شہزین کے بی اے کے ایگزامز ہونے والے تھے اور خالہ بیمار پڑگئی تھیں۔ خالہ کی تیمارداری اور گھر سنبھالنے کے چکر میں وہ ایگزامز کی تیاری نہ کر پائی تھی۔ ولید ایف سی پی ایس پارٹ ٹو کی تیاری کررہا تھا۔ اسے کھانے پینے تک کا ہوش نہ تھا۔ ان ہی دنوں بوا بیگم کی آمد ہوئی۔ وہ رشتے میں خالہ کی نند لگتی تھیں۔ شہاب احمد سے بالکل ویسا ہی پیار تھا جیسے ایک بہن کو چھوٹے بھائی سے ہوتا ہے۔ شہاب احمد اکلوتے تھے تو نزہت اور نگہت (شہزین کی والدہ) بھی اپنے والدین کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ بھائی کوئی تھا نہیں۔ والدین کے بعد لے دے کے شہزین کا سگا رشتہ واحد خالہ نزہت ہی تھیں۔ بوا بیگم جن کا اصل نام تو ثریا بتول تھا مگر سب انہیں بوا بیگم کے نام سے پکارتے اور جانتے تھے۔ نزہت کی یہ حالت دیکھ کر بوا بیگم تو پھٹ پڑی تھیں۔ حارث کو خوب برا بھلا کہا۔ دل کی بھڑاس نکل گئی تو نزہت کو دلاسہ دینے لگیں اور پھر انہوں نے ہی نزہت کے دماغ میں یہ خیال ڈالا کہ وہ شہزین کی شادی ولید سے کردیں۔ چند ثانیے تو نزہت بوا بیگم کو تکتی رہ گئیں۔

”اے نزہت! تم تو یوں حیران ہورہی ہو جیسے میں نے کوئی ناممکن بات کی ہو۔“

”آپا! یہ بات سو فیصد ناممکن ہے۔ ولید کو تو آپ جانتی ہیں۔ وہ کبھی نہیں مانے گا اور پھر شہزین اس سے آٹھ برس چھوٹی ہے۔“

”لو بھلا! وہ کیوں نہیں مانے گا......؟ اتنی حسین، سلیقہ مند اور شریف بچی ہے۔ میں جب سے آئی ہوں اسے دیکھ رہی ہوں۔ کیسے ذمہ داری سے گھر کو سنبھال رکھا ہے اور یہ عمروں کی بھی تم نے خوب کہی۔ لو بتاؤ۔ آٹھ برس بھی کوئی فرق ہے۔ لڑکیاں تو دنوں میں ہی بڑی ہوجاتی ہیں۔ شادی کے کچھ ہی عرصے بعد میاں کے برابر لگنے لگتی ہیں۔ مجھے دیکھو۔ انور کے ابا سے پندرہ سولہ برس چھوٹی ہوں مگر اب ان کی ہم عمر لگنے لگی ہوں۔“ بوا بیگم نے خاصی تفصیل سے سمجھایا تھا۔ نزہت سوچ میں گم ہوگئیں۔

”ارے۔ اتنی سوچ بچار کی کیا ضرورت ہے؟ تمہاری سگی بھانجی ہے۔ ماں بن کر پالا ہے تم نے۔ بیٹے نے تو ہری جھنڈی دکھادی۔ پر اب دیور کو تو ہاتھ میں رکھو۔ اس کی بیوی جانے کیسی ہو۔ کیا پتا اس کو لے کر الگ ہوجائے۔ جو بھی ہے۔ ہے تو سوتیلا۔ آج تو سگے رشتوں پر اعتبار نہیں رہا تو یہ تو پھر سوتیلا ہے۔ اس کی بیوی تمہاری سگی بھانجی ہوگی تو تمہارا خیال بھی کرے گی۔“ بوا بیگم کی باتوں نے نزہت کو قائل کرلیا تھا مگر سب سے بڑا مسئلہ ولید کا تھا۔ اس سے بات کرنا تو گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔ بوا بیگم کا گھر ساہیوال میں تھا۔ اس بار وہ ہفتے بھر کے لیے آئی تھیں مگر نزہت کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے قیام لمبا کردیا تھا۔ چند دن شش و پنج میں گزر گئے کہ ولید سے بات کس طرح کی جائے۔ بوا بیگم اور خالہ سارا سارا دن سر جوڑے جانے کیا کیا منصوبے بناتی رہتیں۔ ان کے انداز پر شہزین کچھ کھٹک تو گئی تھی مگر جان نہ پائی کہ بات کیا ہے۔ گھر میں چھائے سناٹے کو ولید کی کامیابی کی خبر نے توڑا تھا۔ وہ جنرل سرجری کے امتحان میں پاس ہوگیا تھا۔ شہزین نے زندگی میں پہلی بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ آنکھیں کچھ پالینے کی خوشی میں چمک رہی تھیں۔ نزہت نے پوری کالونی میں مٹھائی تقسیم کی تھی اور تب ہی انہوں نے اپنی خواہش اس پر ظاہر کردی۔ وہ یوں بدکا گویا کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

”بھابی پلیز۔ میرے لیے ایسا سوچنا بھی گناہ

ہے۔"

"اے بیٹا! یہ کیا بات ہوئی۔ اس میں گناہ کہاں ہے؟" بوا بیگم نے بھی مداخلت کی۔

"میں آج بہت خوش ہوں اور آپ دونوں میری خوشی کو راکھ مت کیجئے۔" مزید کچھ کہنے سننے کا موقع دیے بغیر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اندر داخل ہوتی شہزین پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور پھر پیر پٹختا آگے بڑھ گیا۔

اس رات نزہت، بوا بیگم کے گلے لگ کر خوب روئی تھیں۔ شہزین کی فکر انہیں گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے انہیں نیند کی گولی دے کر سلایا گیا مگر یہ نیند ابدی نیند ثابت ہوئی۔ رات کے جانے کس پہر ان کے دل نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ شہزین پر تو گویا سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ اسے اب پتا چلا تھا کہ یتیم ہونا کسے کہتے ہیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ حارث کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ اس کے انتظار میں میت ڈیڑھ دن تک رکھی گئی تھی مگر وہ نہ آیا۔ بوا بیگم کی کوششوں سے شہزین روئی تو ہر آنکھ اشکبار تھی۔ لوگوں کی ترحم بھری نظریں اس کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ سوئم کے بعد لوگ جانا شروع ہوگئے۔ ویسے بھی کوئی لمبی چوڑی برادری تو تھی نہیں۔ زیادہ تر یہی آس پڑوس کے لوگ شامل تھے۔

ولید کے لیے بھی نزہت کی اچانک موت کسی دھچکے سے کم نہ تھی۔ تین دن سے وہ ٹھیک سے سو بھی نہ پایا تھا۔ چوتھے روز صبح ہی صبح بوا بیگم اور چند بزرگ جن میں پڑوسی اور بوا بیگم کے میاں بھی شامل تھے اسے گھیر کر بیٹھ گئے۔

"ولید میاں! اب یوں بنا کسی رشتے کے شہزین بٹی کا یہاں رہنا درست نہیں ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"خیر سے اٹھائیں انتیس برس کے سمجھ دار مرد ہو۔ خوب سمجھتے ہو کہ ایک جوان لڑکی کا ایک نامحرم کے ساتھ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔" بوا بیگم نے کہا تو ولید کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"تو میں نے کب کہا کہ میں اس کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ بے شک آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔"

"یہ بھی خوب کہی تم نے۔ یوں کسی پرائی بچی کی ذمہ داری لینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔" بوا بیگم نے ناراضگی سے کہا۔

"تو پھر آپ بتائیں میں اس میں کیا کرسکتا ہوں......؟" اگرچہ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ سب کیا چاہتے تھے مگر وہ پھر بھی ان کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

"دیکھو ولید میاں! اگر تم اس بچی سے نکاح کرلو تو......" پڑوس کے شیخ صاحب گویا ہوئے۔ ولید نے سرعت سے ان کی بات قطع کی۔

"شیخ صاحب پلیز...... یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے اور میں ایسا نہیں کرسکتا۔"

"کیوں بھلا کیا برائی ہے اس بچی میں؟" بوا بیگم کا موڈ اس کی بات پر خراب ہوگیا تھا۔

"اتنے کٹھور مت بنو بیٹا! وہ یتیم و بے آسرا لڑکی ہے۔ سگے رشتے سب کھو چکی ہے۔ منگنی بھی ٹوٹ گئی۔ اگر تم بھی ساتھ چھوڑ دو گے تو اس کا کیا بنے گا۔ مرحومہ کی بھی آخری خواہش یہی تھی۔" بوا بیگم کے میاں نے رسان سے سمجھایا۔

"مگر میری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ میں نے کبھی اسے اس نظر سے نہیں دیکھا۔" وہ زچ ہوگیا تھا۔

"یہ تو تمہاری شرافت ہے بیٹا! میں تمہیں اللہ رسول کا واسطہ دیتی ہوں۔ اس بچی کو دربدر ہونے سے بچالو۔ یقین مانو اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا تو اتنی پیاری بچی کو اپنانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کرتی۔" بوا بیگم کا لہجہ التجائیہ ہوگیا تھا۔

"میں نے کوئی یتیم خانہ نہیں کھول رکھا۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "میرا جو فیصلہ تھا وہ میں آپ کو سنا چکا ہوں۔" انداز دو ٹوک تھا۔ بوا بیگم کے تو پتنگے لگ گئے۔

"انور کے ابا! بس بہت ہوگیا۔ آپ انور کو آج ہی ساہیوال سے بلوایئے۔ میں شہزین کا نکاح اس سے کراؤں گی۔"

"کیا؟" حامد صاحب ایک لمحے کو بھونچکا رہ گئے۔

"تو کیا ہوا جو وہ شادی شدہ ہے۔ اسلام میں چار کی گنجائش موجود ہے۔ ایک بے آسرا بچی کو سہارا دینا تو یوں بھی ثواب کا کام ہے۔" بوا بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ولید کی نگاہوں کے سامنے موٹا گنجا انور گھوم گیا جس کی ابھی دو برس پہلے ہی شادی ہوئی تھی۔ اور تب وہ خفا خفا سا نکاح کے لیے راضی ہوگیا مگر دل میں سوچ لیا کہ یہ رشتہ کاغذی ہوگا۔ شہزین کو بوا بیگم نے صورت حال کے بارے میں بتایا تو وہ چکرا کر رہ گئی۔

"کیا؟ مگر ولید چاچو تو......"

"ہشت۔ بے وقوف...... اب وہ تیرا چاچو نہیں ہے۔" بوا بیگم نے گھر کا۔

"مگر بوا وہ......"

"بنّی! یہ اگر مگر چھوڑو۔ انور کے ابا مولوی کو لینے گئے ہیں۔ تم منہ ہاتھ دھولو اور دیکھو دماغ پر زیادہ زور نہ ڈالو۔ یہ اللہ کے کام ہیں۔ یہ سب یوں ہی ہونا لکھا تھا۔"

اور پھر چند لمحوں بعد محض تین بار ہاں کہنے سے اس کی حیثیت بدل گئی۔

کل تک "ولید چاچو" سے ڈرنے والی آج مسز ولید بن گئی تھی۔

❀❀❀

دروازہ کب سے بج رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ رات جانے کس پہر وہ روتے روتے سوگئی تھی۔ دوپٹہ سنبھالتی وہ لپک کر دروازے تک گئی تھی۔ دروازہ کھولا تو ولید کو موجود پایا۔

"کیا بے ہوشی کی نیند سو رہی تھیں؟" وہ دانت چبا چبا کر بولتا شہزین کے اوسان خطا کر گیا۔ "میں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ دروازہ بند کرلو۔" شہزین کو کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر اپنی بات مکمل کرتا آگے بڑھ گیا۔ بات بے بات آنسو ٹپک پڑتے تھے اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ صبح کے نو بج چکے تھے۔ کام والی ماسی بھی آچکی تھی۔ اسے اور گھروں میں بھی کام کرنا ہوتا تھا۔ اس لیے فٹافٹ کام نمٹا دیا کرتی تھی۔ شہزین کو بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ فریج میں سوائے اس کھانے کے جو ولید رات کو لایا تھا اور کچھ نہ تھا۔ اس نے تھوڑا سا کھانا نکال کر اوون میں گرم کیا۔ چائے بنائی۔ ناشتے سے فارغ ہوکر وہ لان میں چلی آئی۔ اتنا بڑا گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اپنی تنہائی اور بے بسی پر وہ کافی دیر آنسو بہاتی رہی تھی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" دل ہی دل میں حارث سے مخاطب ہوئی۔ کچی عمر میں ہی اس کے دل کی سادہ پلیٹ پر حارث کا نام لکھا گیا تھا اور اب اس کے لیے اسے بھلانا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی تمام تر بے اعتنائیوں اور بے وفائیوں کے باوجود ولید کا خیال دل میں آتے ہی وہ سہم جاتی۔ اتنا

غصہ ور' اکھڑ اور بدمزاج تھا وہ شہزین کا تو اسے دیکھتے ہی دم نکلنے لگتا تھا۔ اور جب سے نکاح ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی شعلے نکلنے لگے تھے۔ خدا خدا کر کے اتنے لمبے دن کا اختتام ہوا۔ شام پانچ بجے کے قریب ولید گھر آیا تھا۔ شہزین نے چپ چاپ رات کا بچا کھانا گرم کر کے میز پر لگا دیا تھا۔

''آج کچھ پکایا نہیں؟'' وہ ہمیشہ تازہ کھانا پسند کرتا تھا۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھا۔

''وہ...... گھر میں...... کک...... کچھ تھا نہیں تو......''

''تم لفظوں کو چکنا چور کیوں کر دیتی ہو۔ آرام سے بات نہیں کر سکتیں۔'' وہ خوامخواہ غصہ ہونے لگا۔ مصروفیات اور تھکن نے اس میں چڑچڑا پن پیدا کر دیا تھا۔ تبھی اس کا سیل بج اٹھا۔

''اسلام علیکم۔ آج کیسے یاد کر لیا؟'' فون پر بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ یکسر بدل گیا۔ شہزین حیرت سے دیکھنے گئی۔

''ابھی؟ نہیں یار۔ فی الحال تو میں بے حد تھکا ہوا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ آٹھ بجے ملتے ہیں۔ ہاں وہیں۔''

''خدا حافظ۔'' موبائل آف کرتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرایا۔ پھر شہزین پر نظر پڑتے ہی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''تم ابھی تک یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''وہ...... وہ میں......'' وہ گڑبڑا گئی۔

''چائے بنانے کا سامان تو گھر میں ہے نا۔'' ولید کے پوچھنے پر شہزین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایک کپ چائے بنا دو اگر گراں نہ گزرے تو۔'' حکم بھی دیتا تھا اور طنز کے نشتر بھی چلاتا تھا۔ شہزین جلتے بھنتے چائے کا پانی رکھنے لگی۔ (ہونہہ! میں نے ہاتھ جوڑے تھے کہ مجھ سے نکاح کر لیں۔ اپنے ساتھ ساتھ میری زندگی بھی برباد کر دی) اس کا ذہن پراگندہ ہو رہا تھا۔ شام کو آٹھ بجے وہ نک سک سے تیار اپنے کمرے میں برآمد ہوا۔ شہزین غائب دماغی کے عالم میں ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ خوشبو کی دلفریب مہک پر وہ چونکی تھی۔ ڈارک براؤن سوٹ میں وہ خاصا اچھا لگ رہا تھا۔

''میں جا رہا ہوں۔ دروازہ بند کر لینا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

''میری ساری زندگی یوں ہی دروازہ بند کرتے کھولتے گزر جائے گی۔'' جلتے بھنتے وہ اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک گئی۔ رات کا وقت اور تنہائی۔ شہزین کو خوف آنے لگا۔ دل کو مضبوط کیے وہ اپنے کمرے میں بیٹھی رہی۔

''کتنا بے حس شخص ہے۔ ذرا سا بھی احساس نہیں کہ میں تنہا ہوں۔ احساس ہوگا بھی کیوں......؟ زبردستی جو مسلط کر دی گئی ہوں اس کے سر پر۔'' وہ جتنا سوچتی اس سے متنفر ہوتی۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔ شہزین کا نیند کے مارے برا حال تھا مگر ایک انجانا سا خوف سونے بھی نہ دیتا تھا۔ وہ گھبرا کر رونے بیٹھ گئی۔ تبھی گاڑی کا ہارن بجا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اسی نے جا کر گیٹ کھولا تھا۔

''آپ نے اتنی دیر کر دی۔'' بے اختیار شکوہ لبوں پر در آیا تو وہ ایک لمحے کو رک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ خوف زدہ لگ رہی تھی۔ ولید کو احساس ہوا کہ واقعی دیر ہو گئی تھی۔

''تم سو جاتیں۔''

''میں سو جاتی تو گیٹ کون کھولتا؟'' ولید کے نرم لہجے پر وہ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔ صبح اتوار تھا۔ ولید نے ایک ماہ کا راشن گھر میں ڈلوایا۔ دوپہر کے کھانے

کھانے پر رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے ولید نے ہزین پر نظر ڈالی جو جھجک رہی تھی۔ کھانا جوں کا توں ھرا تھا۔

''میری شکل کیا ہٹلر سے ملتی ہے؟''

''ج...... جی!''

''کیا؟'' ابرو اچکاتے ہوئے اسے دیکھا۔

''جی...... جی نہیں۔''

''تو پھر ٹھیک سے کھانا کیوں نہیں کھا رہیں۔''

''کھا تو رہی ہوں۔''

''حقیقت تلخ ہی سہی مگر مجبوری ہے۔ اگر تمہارے کھانے کی رفتار یہی رہی تو چند دنوں تک تمہیں خوردبین لگا کر دیکھنا پڑے گا۔'' ولید کی بات پر وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

❀❀❀

ولید بے حد مصروف رہنے لگا تھا۔ اس کا ارادہ سینئر کولیگز کے ساتھ مل کر ذاتی اسپتال بنانے کا تھا۔ اس مقصد کے لیے ولید نے اپنی ساری جائیداد بیچنے کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ ایک ماہر سرجن تھا۔ صبح نو بجے سے دو بجے تک سرکاری ہسپتال میں کام کرتا۔ مختلف پرائیویٹ اسپتالوں میں بھی اسے ہائر کیا جاتا تھا۔ ون تک شہزین سے بات بھی نہ ہو پاتی تھی۔ شہزین خود کو مصروف رکھنے کے سو سو جتن کرتی اور اسی کوشش میں گھر کو شیشے کی طرح چمکا کر رکھ دیا۔ کام والی ماسی تو ائے نام تھی وگرنہ زیادہ تر کام شہزین خود ہی کیا کرتی تھی۔ اسے اب ولید کے انتظار میں رات رات بھر تک جاگنے کی عادت ہو چکی تھی حالاں کہ وہ اب اپنے پاس ڈپلی کیٹ چابی رکھتا تھا اور خود ہی گیٹ کھول کر اندر آ جایا کرتا تھا۔ اکثر تو شہزین کو پتا بھی نہ چلتا تھا کہ وہ رات کو کس وقت گھر آیا تھا۔ گھر بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی تو اسے خیال آیا کہ بی اے کے ایگزامز دے دیے جائیں۔

''تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟'' رات گیارہ بجے کے قریب وہ آیا تو شہزین کو لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

''مم...... مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔''

''کہو۔''

''وہ میں......''

''جو کہنا ہے جلدی کہو۔ میں بے حد تھکا ہوا ہوں۔'' اس کا بے زار بے زار سا لہجہ شہزین کی انا پر بھاری پتھر کی طرح لگا تھا۔

''میں...... میں بی اے کے ایگزامز دینا چاہتی ہوں۔''

''تو اس میں' میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''کتابیں اور فارم تو آپ ہی لا کر......''

''پلیز یہ فضول کام تم خود ہی کر لیا کرو۔ میں پہلے ہی اتنا مصروف رہتا ہوں۔'' ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''یہ پیسے رکھ لو۔ صبح جا کر لے آنا۔'' بٹوے سے چند بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ شہزین تو گویا پتھر کی ہو چکی تھی۔

بے جان ہوتے وجود کے ساتھ وہ وہاں کھڑی تھی۔ ولید اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ کس قدر بے حس تھا یہ شخص۔ روٹی' کپڑا' پیسہ دے کر سمجھتا تھا کہ حق ادا کر دیا۔ اس لمحے جانے اسے کیا ہوا۔ وہ روپے مٹھی میں دبائے تیزی سے اس کے کمرے کی طرف گئی اور بنا دستک دیے دھاڑ سے دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوتے ہی ساری تیزی طراری ہوا ہو گئی۔ ولید نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جو شرٹ اتار چکا تھا۔ دوبارہ پہن لی۔ شہزین کی نگاہیں جھک گئیں۔ دل ہی دل میں سو بار خود کو ملامت کی۔

''اتنی بے تکلفی ہم میں کبھی بھی نہیں رہی کہ تم

یوں دندناتی ہوئی میرے کمرے میں آجاؤ۔'' دانت پر دانت جما کر بولتا وہ اسے کڑی نظروں سے گھور رہا تھا۔ شہزین سرعت سے پلٹی تھی۔

''رکو!'' وہ چند قدم آگے بڑھا۔ ''کہو کیا بات ہے؟''

''آپ...... آپ یہ پیسے رکھ لیں۔'' بند مٹھی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کھولی۔

''کیوں؟''

''مجھے...... مجھے ضرورت نہیں ہیں۔''

''مگر ابھی کچھ دیر پہلے تو......''

''اب نہیں ہے۔'' آواز بھرا گئی تو وہ روپے میز پر رکھتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ولید نے چند لمحے کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے ابھی ابھی وہ گئی تھی۔ پھر سر جھٹک کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

کوئی اتنا کٹھور اور سنگ دل بھی ہوسکتا ہے۔ اتنی نفرت کرتے ہیں وہ مجھ سے کہ چند لمحے رک کر میری بات سننا بھی گوارا نہیں ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ کسی سے بات کروں۔ صرف پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ پیسے کا بھی کیا۔ انہیں خود تو کچھ نظر نہیں آتا۔ موسم بدل رہا ہے۔ میرے پاس گرمیوں کے پہننے کے وہی کپڑے رکھے ہیں جو پچھلے سال خالہ نے بنوا کر دیے تھے مگر یہ تو شاید بے حس ہیں۔ انہیں بھلا میرا احساس کہاں ہوگا؟ بوا بیگم نے کہا تھا کہ نکاح کے دو بولوں سے ہی دلوں میں محبت کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں مگر یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں۔ وہ تو شاید یہ بھی بھول چکے ہیں کہ ہمارا نکاح ہوا تھا۔ کس طرح کے انسان ہیں وہ۔ پتا نہیں ان کے سینے میں دل ہے یا پتھر کا ٹکڑا فٹ ہے۔ پتا نہیں وہ مجھ سے محبت...... محبت۔'' وہ چونکی تھی۔ ''میں اور ولید سے محبت...... نہیں نہیں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس نے گھبرا کر اس خیال کی نفی کی مگر ایسا ہو چکا تھا۔ محبت تو سرزمین دل پر اگنے والا خودرو پودا ہے۔ جو آب یاری کے بغیر بھی نمو پاتا رہتا ہے۔ پہلی بار اس کے دل نے تال بدلی تھی۔ شاید پہلی بار وہ ولید کے بارے میں کچھ اور طرح سے سوچ رہی تھی۔ ڈور بیل کے بجنے پر وہ چونکی تھی۔ شام کے سات بج رہے تھے۔ ولید کے آنے کا وقت تو نہیں تھا یہ۔

''کون؟''

''ڈاکٹر ولید احمد گھر پر ہیں؟'' نسوانی آواز پر شہزین نے گیٹ کھول دیا۔ کھلتی ہوئی گندمی رنگت سرو قد اور تیکھے نین نقش والی وہ لڑکی خاصی جاذب نظر تھی۔

''میں ڈاکٹر صبا ہوں...... آپ؟'' وہ نگاہوں میں قدرے الجھن لیے شہزین کو دیکھ رہی تھی۔

''میں...... وہ...... آپ اندر تو آئیں نا۔'' وہ گڑبڑا کر اس کا سوال نظر انداز کر گئی۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ جانے ولید نے اس کا تعارف بطور بیوی کے کروا بھی رکھا ہے یا نہیں۔

''ولید گھر پر نہیں ہیں؟'' وہ عجلت میں دکھائی دے رہی تھی۔

''جی نہیں۔''

''او کے۔ میں چلتی ہوں۔ ولید آئے تو انہیں بتا دیجئے گا۔'' اس کے جانے کے بعد چند لمحوں تک شہزین وہیں کھڑی رہی پھر پلٹ کر اندر چلی گئی۔

ولید رات دس بجے کے قریب آیا تھا۔

''کھانا لگا دوں؟'' شہزین کی آواز پر وہ چونکا۔

''تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟''

''نیند نہیں آرہی تھی۔''

''تم سو جاؤ۔ میں کھانا خود گرم کرلوں گا۔'' بیگانوں بھرا انداز ہوتا تھا اس کا۔ کپڑے چینج کر کے آیا

تو شہزین کچن میں پڑی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا چکی تھی۔

''تھینکس۔ ناحق زحمت کی۔'' کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے تکلف بھرے جملے اس کے لبوں سے ادا ہوئے۔ شہزین چپ چاپ بیٹھی میز کی سطح پر انگلیوں سے لکیریں کھینچتی رہی۔

''ڈاکٹر صبا آئی تھیں آج۔'' شہزین نے دیکھا ولید کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔ ''کہہ رہی تھی جب آپ آئیں تو بتادوں۔'' اس نے مزید کہا۔

''ہوں۔ مل چکا ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ شہزین کو اس کے رویے سے جانے کیوں بکی سی محسوس ہوئی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

رات کے دو ڈھائی کا وقت ہوگا جب ولید کی آنکھ ایک عجیب سے احساس سے کھلی تھی۔ شاید لائٹ چلی گئی تھی۔ پنکھا بند ہوجانے کی وجہ سے کمرے میں حبس ہو رہا تھا۔ جاتی بہار کے دن تھے۔ موسم کی شدت میں گرمی بڑھتی جارہی تھی۔ ولید نے اندازے سے اٹھ کر کھڑکی پر پڑے بھاری پردے ہٹائے اور دونوں پٹ وا کردیے۔ بارش ہو رہی تھی اور ہوا خاصی خوش گوار تھی۔ تبھی اسے شہزین کا خیال آیا۔ نزہت کے منہ سے اس نے اکثر سنا تھا کہ شہزین ایسے موسم سے بہت ڈرتی تھی۔ متزاد یہ کہ بجلی اور گھٹا ٹوپ اندھیرا! وہ ہاتھ میں ٹارچ لے کر شہزین کے کمرے کی طرف گیا۔

''ک...... کون...... کون ہے؟'' دستک دینے پر اس کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں ہوں ولید۔'' اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا تھا اور وہ بچوں کی طرح روتی اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس اچانک افتاد پر وہ گھبرا گیا۔

''ڈر لگ رہا ہے۔''

''اسٹوپڈ! اس میں رونے کی کیا بات ہے؟'' جھلا کر کہتے ہوئے وہ اس کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہ چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔

''افوہ...... میری شرٹ تو چھوڑو۔'' ولید کے کہنے پر اس نے شرمندہ ہو کر اس کی شرٹ کا کالر چھوڑ دیا۔

وہ دونوں اب بیڈ پر بیٹھ چکے تھے۔

''بجلی کس وقت گئی ہے؟'' اس نے یوں ہی دریافت کیا۔

''ب...... بارہ بجے!''

''اور تم اس وقت سے بیٹھی رو رہی ہو۔ حد ہے ڈرپوکی کی۔''

''مجھے اندھیرے سے خوف آتا ہے۔''

''کچھ نہیں ہوتا۔ تم چپ چاپ سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔'' وہ اٹھنے لگا تو شہزین نے گھبرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''پلیز۔ آپ یہیں بیٹھے رہیں۔''

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ شدید تھکا ہوا ہوں میں۔ تم بھی سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔ میں ساری رات گزار کر چوکی داری نہیں کرسکتا۔'' ازلی اکھڑ لہجہ عود کر آیا۔

''پلیز ولید چاچو۔ آپ یہیں میرے کمرے میں سو جائیں۔ میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گی۔ چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھی رہوں گی۔'' ولید کی نظروں کے سامنے سات سالہ شہزین آ کھڑی ہوئی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم یہاں سو جاؤ۔ میں سامنے صوفے پر لیٹ جاتا ہوں۔'' وہ سامنے رکھے صوفے کم بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''آپ یہاں سو جائیں۔ میں وہاں سو جاؤں گی۔'' اس کی بے آرامی کے خیال سے وہ بول اٹھی۔

وہ چھ فٹ کا لمبا چوڑا مرد صوفے پر بے آرام ہی ہوتا۔ ولید کو اپنے کمرے کے سوا کہیں نیند نہ آتی تھی مگر وہ شاید واقعی بے حد تھکا ہوا تھا۔ تکیے پر سر رکھتے ہی لمحوں میں غافل ہو گیا۔ شہزین کو اس کی موجودگی سے کچھ ڈھارس بندھی تھی۔ خوف کا عنصر زائل ہوا تو نیند غالب آنے لگی اور پھر چند لمحوں بعد وہ بھی بے خبر سو رہی تھی۔ فجر کی اذان پر ولید کی آنکھ خود بخود کھل گئی۔ رات کو چاہے کتنی ہی دیر سے کیوں نہ سوتا۔ فجر کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی تھی۔ وہ وضو کے ارادے سے اٹھا تو نظر سامنے سوئی ہوئی شہزین پر پڑی۔ ایک بازو سینے پر لپیٹے اور دوسرا آنکھوں پر رکھے وہ مزے سے سو رہی تھی۔ لمبے گھنے سنہری مائل بھورے بالوں کی چٹیا صوفے سے نیچے لٹک رہی تھی۔ وہ کبھی بھی اس کے سامنے بنا دوپٹے کے نہیں آئی تھی۔ ہمیشہ وہ بڑے سے دوپٹے کو خود پر پھیلا کر اوڑھا کرتی تھی۔ اس کی نگاہیں اس کے تنفس کے زیر و بم سے الجھنے لگیں۔ اگلے ہی پل وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔ بیڈ پر پڑی چادر اٹھا کر اس کے اوپر ڈالی اور خود کمرے سے باہر نکل گیا۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ ایکسرسائز کیا کرتا تھا۔ جاگنگ سے لوٹا تو تب تک شہزین نہ صرف جاگ چکی تھی بلکہ ناشتہ بھی بنا چکی تھی۔

حسب معمول وہ خاموشی سے ناشتہ کر کے اسپتال چلا گیا تھا۔ شہزین کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ رات وہ جس طرح بے اختیار ہو کر ولید کے گلے لگی تھی۔ دوبارہ سوچا تو ڈھیروں خون چہرے پر سمٹ آیا۔ وہ خود بھی حیران ہو رہی تھی اپنی اس پل پل بدلتی کیفیت پر۔ ولید کے لیے اس نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ تقدیر نے اسے اس کا جیون ساتھی تو بنا دیا تھا مگر وہ ذہنی طور پر اسے قبول نہ کر پائی تھی۔ وہ تو اس کے سائے سے بھی خوف زدہ رہا کرتی تھی۔ محبت واپنائیت کا رشتہ استوار کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔ مگر اب یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دھیرے دھیرے اس خوف کے حصار سے نکل رہی تھی۔

میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا......

خود بخود گنگناہٹ لبوں پر آ گئی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے ڈسٹنگ کرنے لگی۔

❀❀❀

"تم نے بتایا نہیں کہ وہ لڑکی کون ہے؟" کافی کا سپ لیتے ہوئے صبا نے دوسری بار پوچھا تھا۔

"بتایا تو تھا بھابھی کی بھانجی ہے۔" کافی کی تلخی اس کے لہجے میں بھی گھل گئی تھی۔

"ولید! یوں ایک جوان لڑکی کا تمہارے گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔" وہ صاف لفظوں میں نہیں کہہ سکی تھی کہ وہ لڑکی اس کے گھر میں کیوں رہ رہی ہے۔

"کیا مطلب؟" ولید کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میں جو کہنا چاہتی ہوں۔ تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ میرا خیال ہے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔" ولید کے رویے پر وہ برا مان گئی۔

"کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔" صبا کا موڈ خراب دیکھ کر وہ نرم لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟" ماحول کو ہلکا پھلکا بنانے کی خاطر وہ مسکرایا تھا۔

"تم جانتے ہو میں برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی اور لڑکی......"

"کوئی اور لڑکی تمہاری جگہ نہیں لے سکتی۔" وہ اس کی بات قطع کر کے بولا تو صبا دھیرے سے مسکرائی۔

"ویسے وہ لڑکی حسین بہت ہے۔" صبا نے صاف گوئی سے کہا۔

"پلیز یار۔ بور مت کرو۔ ہم یہاں اس لیے نہیں آئے کہ کسی تیسرے شخص کے بارے میں گفتگو کریں۔" وہ یوں منہ بنا رہا تھا جیسے میٹھے بادام کھاتے کھاتے منہ میں کڑوا بادام آ گیا ہو۔

"تمہارے اسپتال کا کام کہاں تک پہنچا؟" اس کا موڈ دیکھتے ہوئے وہ بات پلٹ گئی۔ وہ اب اپنے پلان کے بارے میں بتا رہا تھا۔ بظاہر صبا بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی مگر اس کا دماغ ابھی بھی اس "لڑکی" میں اٹکا ہوا تھا۔

ولید اور صبا کی دوستی ہاؤس جاب کے دوران ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ دوستی محبت کے سانچے میں ڈھل گئی اور دونوں کو پتا ہی نہ چلا۔ گھر میں ہر وقت تیوریاں چڑھائے رکھنے والا ولید احمد ہر بات صبا سے شیئر کیا کرتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس نے کبھی بھی اپنے گھر یا ساتھ رہنے والے افراد کا ذکر اس سے نہیں کیا تھا۔ نزہت بھابھی کے انتقال کا ہفتے بعد اس نے صبا کو بتایا تھا۔ صبا کو ہمیشہ اس سے یہی گلہ رہا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا تھا۔

"میں تنہا تھا اور ہوں۔ مگر تمہارے آنے کے بعد یہ تنہائی ختم ہو جائے گی اور یہ کہہ کر بات ختم کر دیتا تھا۔ وہ ابھی تک چاہتے ہوئے بھی صبا کو اپنے اور شہزین کے نئے تعلق کے بارے میں نہیں بتا پایا تھا اور شاید وہ بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ ارادہ کر چکا تھا کہ جلد ہی وہ اس کاغذی تعلق سے نجات حاصل کر لے گا۔ کیسے؟ یہ سوچنا ابھی باقی تھا۔ صبا وہ پہلی لڑکی تھی جو اس کی بے رنگ زندگی میں بہار کا پیغام ثابت ہوئی تھی۔ شادی ابھی اس کے پروگرام میں شامل نہ تھی مگر جلد یا بدیر اسے صبا سے ہی شادی کرنی تھی۔ نزہت کی اچانک موت نے سب کچھ بدل دیا تھا۔ "شہزین سے نکاح!! اف خدا! کاش میں اس وقت نہ مانا ہوتا یا پھر اسے کسی ہاسٹل میں کمرہ دلوا دیتا۔ شہر میں بیسیوں ورکنگ ویمن ہاسٹلز کھلے ہیں۔ کتنا بے وقوف ہوں میں۔ یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔" ڈرائیو کرتے ہوئے اس کا ذہن سوچوں کے گرداب میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کا موڈ بری طرح آف ہو چکا تھا۔

"کھانا لگاؤں؟" لاؤنج میں قدم رکھتے ہی پوچھا گیا۔

"نہیں۔" سرد سے لہجے میں کہتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"شہزین۔" چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ ولید کی دھاڑ پر وہ اچھل کر رہ گئی۔ اس نے پہلے کبھی بھی ایسے نہیں پکارا تھا۔

"جج......جی!" اس نے ڈرتے ڈرتے اس کے کمرے میں قدم رکھا۔

"میری کتابوں کو کس نے ہاتھ لگایا تھا؟" اس کا چہرہ غضب ناک ہو رہا تھا۔ آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی تھی۔

"وہ......وہ م......میں نے......" وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"کس کی اجازت سے؟"

"صفا......ئی کرنی......تھی......" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔ بےبسی آنکھیں بھرا گئیں۔

"خبردار جو آج کے بعد میرے کمرے میں قدم رکھا۔ زندگی عذاب بنا دی ہے میری۔ خواہ مخواہ مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ اب کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ جاؤ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ غرایا تو شہزین سہم کر دروازے کی طرف لپکی تھی۔ "اور سنو! تم مجھ پر مسلط کی گئی ہو اور میں خود پر مسلط کی گئی چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم اپنی اوقات میں

رہو۔" اتنے دنوں کا لاوا آج ذرا سی بات پر پھٹ پڑا تھا۔ شہزرین منہ پر ہاتھ رکھ کر روتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اتنی نفرت! اس قدر اہانت! ذلت کے احساس سے وہ تھرا کر رہ گئی۔ "ولید احمد تمہارے سینے میں دل نہیں پتھر ہے پتھر۔ ایک پتھر دل انسان مسیحا کیسے ہوسکتا ہے۔ تمہاری تو زبان ہی سب سے بڑا نشتر ہے۔ ڈاکٹر تو بہت رحم دل اور خوش اخلاق ہوتے ہیں مگر تم......" تکیے میں منہ چھپائے وہ بری طرح رو رہی تھی۔

❀❀❀

اس دن کی ذلت کے بعد شہزرین نے ولید سے مخاطب ہونے کی غلطی دوبارہ نہیں کی تھی۔ ناشتہ، کھانا سب اسے وقت پر مل رہا تھا۔ مگر شہزرین منظر سے ہٹ جاتی تھی۔ چپ چاپ بنا کہے اس کے کام کر دیتی۔ کپڑے البتہ وہ پہلے بھی خود استری کیا کرتا تھا۔ اس جامد خاموشی کو بوا بیگم کی اچانک آمد نے توڑا تھا۔ پورے آٹھ ماہ بعد وہ آئی تھیں۔ اور ان دونوں کی روٹین دیکھ کر خوب غضب ناک ہوئی تھیں۔ شہزرین تو دو جملوں میں ہی پھپھک کر رو پڑی تھی جس پر بوا بیگم خاموش ہوگئی تھیں۔ البتہ ولید کے انہوں نے خوب لتے لیے تھے۔ وہ کتنا ہی اکھڑ اور بدلحاظ کیوں نہ تھا مگر بوا بیگم کی وہ دل سے عزت کرتا تھا۔ ان کے سامنے بولنے کی گستاخی نہیں کرسکتا تھا۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"میاں آٹھ ماہ تو ہوگئے تمہارے نکاح کو۔ مزید کتنا وقت درکار ہے تمہیں۔ میں تو سمجھی تھی اتنے عرصے میں تم لوگ ایک دوسرے کو خوب اچھی طرح سمجھ چکے ہوگے مگر یہاں تو......" وہ گویا تاسف سے سر ہلانے لگیں۔ "بچی کی شکل دیکھی تو پہلے وہ پہل

قیاس ہوا کہ کوئی "خوش خبری" ہے۔ مانو آج کل کی لڑکیاں تو خون کی کمی سے پیلی ہلدی ہوجاتی ہیں۔ بعد میں پتا چلا کہ یہاں سرے سے ایسا کچھ ہے نہیں۔ دو دن سے بخار میں پھنک رہی ہے۔" وہ بوا بیگم کی "خوش خبری" والی بات پر خجل سا ہوگیا تھا۔ ان کی آخری بات پر چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ بوا بیگم اس کی سوالیہ نظریں پڑھ چکی تھیں۔

"بیوی کا کچھ خیال ہو تو پتا ہو کہ بیمار ہے یا صحت مند۔" اسی لمحے شہزرین لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

"لیجیے بوا۔ چائے۔" خاموشی سے چائے کا کپ انہیں پکڑا کر پلٹنے لگی تو بوا بیگم نے روک لیا۔

"بٹی! ذرا ادھر بیٹھو تو۔ اس بار میں تم دونوں کا فیصلہ کروا کر ہی جاؤں گی۔" وہ جزبز ہوتی کاؤچ پر ٹک گئی۔ نظر اٹھا کر ایک بار بھی ولید کی طرف نہ دیکھا تھا۔

"کپڑے نہیں ہیں تمہارے پاس؟"

"جی!" بوا بیگم کے پوچھنے پر وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"نوبیاہتا دلہنیں کیا ایسے کپڑے پہنا کرتی ہیں۔ یہ گھسے پٹے پرانے کپڑے اور سونی کلائیاں۔ کان ناک خالی۔ میاں! کیا تم نے یہ فرض کرلیا ہے کہ تمہاری گھر والی کے لیے کپڑے لتے آسمان سے گریں گے یا گھر کی کسی کیاری میں اگیں گے؟" وہ بیک وقت دونوں سے مخاطب ہوئیں۔ ولید نے چونک کر شہزرین کی طرف دیکھا۔ ہلکے پیلے اور نیلے پرنٹ کے لان کے سوٹ میں وہ واقعی کچھ زرد دکھائی دے رہی تھی۔ مٹے مٹے سے پرنٹ والا سوٹ دیکھنے میں ہی پرانا پرانا لگ رہا تھا۔

"اس نے مجھ سے کبھی کچھ کہا ہی نہیں۔" بودی سی دلیل پیش کی گئی۔

"شاباش! یہ بھی خوب کہی تم نے۔ اس نے کہا نہیں مگر تم تو آنکھیں رکھتے ہو۔" بوا بیگم واقعی جلال میں تھیں۔ اسی لمحے موبائل کی بپ ولید کے لیے غیبی امداد ثابت ہوئی۔ اسکرین پر صبا کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ ایکسکیوز کرتا ہوا اٹھ کر باہر نکل گیا۔ بوا بیگم کافی دیر شہزرین کو اونچ نیچ سمجھاتی رہیں۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی کہ بوا بیگم کے سامنے بولنے کی وہ جرأت نہ رکھتی تھی۔

"اور ولید! وہ تو شاید کبھی میرا تھا ہی نہیں۔ وہ تو ڈاکٹر صبا کو پسند کرتے ہیں۔" وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔ شام کو ولید گھر آیا تو خالی ہاتھ نہیں تھا۔

"یہ کچھ کپڑے ہیں تمہارے لیے۔" روکھے پھیکے انداز میں کہتے ہوئے چند شاپنگ بیگز اس کی طرف بڑھائے۔ یہ دیکھے بناء کہ وہ لینا بھی چاہتی ہے یا نہیں۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ شہزرین نے چپ چاپ وہ لفافے وارڈروب کے آخری کونے میں ڈال دیے۔ جب دلوں میں گنجائش نہ ہو تو یہ مادی اشیاء کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

❀❀❀

ولید کسی سیمینار میں شرکت کرنے کے لیے اسلام آباد گیا تھا۔ اسے گئے دوسرا دن تھا جب اچانک صبا گھر چلی آئی۔ صبا گائنا کالوجسٹ تھی جبکہ ولید جس سیمینار میں شرکت کرنے گیا تھا وہ پلاسٹک سرجری سے متعلق تھا اس لیے صبا نہیں گئی تھی۔ بوا بیگم نے سر سے پیر تک اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھا تھا جبکہ شہزرین کچھ تذبذب کا شکار ہوگئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ صبا اس کے اور ولید کے رشتے سے بے خبر ہے اور اب بوا بیگم کو خاموش کروانا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ صبا جانتی تھی کہ ولید گھر پر نہیں ہے اور وہ اسی موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ جب سے شہزرین کو دیکھا تھا۔ تب سے ہی وہ بے کل سی تھی۔ اس قدر حسین لڑکی کا ولید کے ساتھ تہہ خانے کا کیا جواز تھا بھلا۔

"تم بھی ڈاکٹر ہو؟" بوا بیگم نے انٹرویو شروع کردیا تھا۔ شہزرین چائے بنانے کی غرض سے کچن میں چلی گئی۔

"جی۔"

"شادی شدہ ہو؟"

"جی...... جی نہیں۔"

"ہاں خیر۔ لگتی بھی نہیں ہو۔ ولید تو اسلام آباد گیا ہوا ہے۔" بوا بیگم کے انداز پر وہ شرمندہ ہوگئی۔

"جی۔ میں جانتی ہوں۔" وہ بھی بوا بیگم کی بارعب شخصیت سے مرعوب ہوگئی تھی۔ "میں...... ملنے آئی تھی۔"

"کس سے؟" شہزرین کا نام تو وہ جانتی نہیں تھی۔ اب دل ہی دل میں خفت محسوس کررہی تھی۔

"چائے۔" شہزرین چائے کی ٹرالی گھسیٹتی چلی آئی۔ تو بوا بیگم کا سوال وہیں رہ گیا۔

"تم کہاں جارہی ہو۔ بیٹھو نا۔ تم سے ملنے آئی ہے بچی۔"

بوا بیگم بھی قیامت کی نظر رکھتی تھیں۔ شہزرین کا گریز اور صبا کی نگاہوں کی الجھن انہیں بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔ شہزرین مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہاں بیٹھ گئی۔ صبا چائے گھونٹ گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے شہزرین کو دیکھ رہی تھی۔

"بٹی۔ تم بھی اب شادی کرڈالو۔ ارے یہی تو عمر ہوتی ہے شادی کی۔ ڈاکٹری کی پڑھائی میں تو یوں بھی رنگ و روپ بگڑ کر رہ جاتا ہے لیکن ماشاء اللہ تم تو بہت خوب صورت ہو۔"

"جی۔ میری امی بھی یہی کہتی ہیں۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ "آپ ولید کی......؟" جملہ جان بوجھ کر

ادھورا چھوڑ دیا۔

"بوا ہوں میں اس نالائق کی۔" وہ ابھی بھی اس سے خفا تھیں۔ اوپر سے یہ ڈاکٹر صبا کا چکران کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

"اور آپ تو شاید ولید کی..... آئی مین اس نے بتایا تھا کہ آپ اس کی بھابی کی بھانجی ہیں۔" وہ اصل بات کی طرف آئی۔ شہزین نے بے اختیار بوا بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

"جی ہاں۔" پھنسی پھنسی سی آواز حلق میں سے نکلی تھی۔

"جانے یہ آج کل کے لڑکوں کو خود کو شادی شدہ کہتے ہوئے شرم کیوں آتی ہے۔" وہی ہوا تھا جس کا ڈر تھا۔

"کیا..... کیا مطلب؟" صبا کو چائے کا گھونٹ حلق میں پھنستا ہوا محسوس ہوا۔

"تمہیں نہیں بتایا اس نے۔ ارے یہ بیوی ہے اس کی۔" اور صبا کو یوں لگا کہ ہفت آسمان اس کے سر پر آن پڑے ہوں۔ اس نے ایک بے یقین نگاہ شہزین پر ڈالی جو یوں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ جیسے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہو۔

"میں..... میں چلتی ہوں اب۔" اس سے مزید بیٹھنا دشوار ہو گیا۔ آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگی تھیں۔ ولید اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کرے گا۔ ایسا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بھڑ بھڑ جلتے دل کو سنبھالتی وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

شہزین کو ایک انجانے سے خوف نے گھیر لیا۔ جب ولید کو اس ساری بات کا علم ہوگا تو کیا ہوگا؟ بس یہی سب سوچ سوچ کر اس کی روح فنا ہوتی جا رہی تھی۔

دوسری صبح اور بھی حیرت انگیز تھی۔ وہ آ گیا تھا جس کی وجہ سے شہزین کی آج یہ حالت تھی۔ بوا بیگم رہی تھیں۔ وہ لان میں پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ اسے دیکھ کر پانی کا پائپ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"کیسی ہو؟" لہجے سے ہی برسوں کی تھکن عیاں تھی۔

"اے۔ کیا پہچانا نہیں مجھے؟" شگفتگی سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ بیتے چار پانچ برسوں میں وہ کافی بدل گیا تھا مگر پھر بھی شہزین نے اسے پہچاننے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔

"تمہیں میں بھول سکتی ہوں بھلا؟" عام سا لہجہ اور سرد سے الفاظ۔

"میں جانتا تھا۔" اس کے لہجے پر غور کیے بغیر ہی وہ اس کے لفظوں سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کر کے خوش ہو گیا تھا۔ شہزین چپ چاپ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ حیرت کی بات تھی کہ وہ پُرسکون تھی۔ حالاں کہ کتنا سوچتی تھی کہ زندگی میں کبھی حارث احمد سے سامنا ہوا تو خوب چیخے گی چلائے گی اس کا گریبان پکڑ کر پوچھے گی کہ آخر اس نے ایسا کیوں کیا؟ مگر حیرت انگیز طور پر وہ خاموش تھی۔ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

بوا بیگم نے تو اس سے سیدھے منہ بات بھی نہ کی تھی۔ وہ خود ہی زبردستی دونوں سے مخاطب تھا۔ خود ہی ہنس بول رہا تھا۔ رات کے کھانے پر بھی بنا بلائے ہی ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آہا۔ بڑے مزے کی خوشبو آ رہی ہے۔" شہزین نے کوئی توجہ نہ کی۔ تبھی ولید احمد نے اندر قدم رکھا تھا۔ اس کی آمد وقت بے وقت ہوا کرتی تھی۔ اس لیے ہر وقت گیٹ کی ایک ڈپلی کیٹ چابی اس کے پاس رہا کرتی تھی۔ حارث کو دیکھ کر اس کے قدم رک

سے گئے تھے۔

"کیسے ہیں چاچو؟" وہ خود ہی گرم جوشی سے کہتا ہوا ولید کی طرف لپکا تھا۔

"تم کیسے ہو؟" ولید نے صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔ وہ جو گلے لگنا چاہتا تھا۔ ایک دم رک گیا۔ ولید کی نگاہوں میں سرد سا تاثر تھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"میں تھکا ہوا ہوں۔ صبح بات ہوگی۔ ایکسکیوزمی۔" حارث کو ششدر چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"جاؤ بٹی۔ اس سے کھانے پانی کا پوچھو۔" بوا بیگم نے کہا مگر وہ جانتی تھی کہ ولید اب صبح ہی اپنے کمرے سے باہر نکلے گا مگر بوا کے کہنے پر ناچار اسے جانا پڑا تھا۔ ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"کھانا لگا دوں؟"

"نہیں۔ صرف ایک کپ کافی۔" وہ کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"کیا بات ہے تم بہت سنجیدہ ہوئی ہو۔" وہ کافی پھینٹ رہی تھی جب حارث نے کچن میں قدم رکھا۔

"شاید۔" مختصر جواب دیا۔

"تمہیں شاید میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی۔" وہ جانچتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے آنے جانے سے میری خوشی کا بھلا کیا تعلق؟" کافی مگ میں ڈالتے ہوئے وہ مصروف سے انداز میں گویا ہوئی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو مگر میں اب آ گیا ہوں نا۔ ہمیشہ کے لیے۔ تمہارے سب گلے دور کر دوں گا۔" شہزین کے بے گانہ سے انداز پر وہ گویا تڑپ اٹھا تھا۔

"میں بھلا کون ہوتی ہوں آپ سے ناراض ہونے والی۔" کافی کا مگ اٹھا کر باہر نکلنے لگی تو وہ راہ میں آ گیا۔

"پلیز۔ میرا راستہ چھوڑ دیں۔"

"اگر نہ چھوڑوں تو؟" انداز ذو معنی تھا۔ شہزین نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ اسی لمحے حارث کی پشت پر ولید کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔

"ایک کپ کافی بنانے میں اتنی دیر تو نہیں لگتی مگر یہاں تو......" جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا گیا۔ حارث فوراً پلٹا تھا۔ شہزین نے بوکھلا کر کافی کا مگ ولید کی طرف بڑھایا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی

"تم سناؤ...... اچانک کیسے آ گئے؟" وہ اب حارث کی طرف متوجہ ہوا۔ چہرے پر ناقابل فہم تاثرات تھے۔

"واپس تو مجھے یہیں آنا تھا۔" لہجہ یاسیت سے پُر تھا۔ وہ دونوں لاؤنج میں رکھے صوفوں پر بیٹھ چکے تھے۔

"اور تمہاری بیوی؟" ولید نے کافی کا بڑا سا سپ لیتے ہوئے ایک گہری نگاہ اس کے دھواں دھواں چہرے پر ڈالی۔

"بیوی نہیں غلطی کہیں۔ فاش غلطی۔ جس کی خاطر میں نے ماں کی ناراضگی مول لی مگر وہ...... خیر چھوڑیں۔ مغرب کی عورت میں وفا ہوتی تو پھر کیا فرق رہ جاتا وہاں کی اور یہاں کی عورت میں۔ آپ سنائیں۔ ڈاکٹری کہاں تک پہنچی؟" وہ بات پلٹ گیا۔

"ہوں۔ ٹھیک چل رہی ہے۔ میرا خیال ہے اب آرام کرنا چاہیے۔ باقی باتیں صبح ہوں گی۔ کافی ختم کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ انداز کچھ پُرسوچ سا تھا یا شاید حارث کو ایسا محسوس ہوا تھا۔

❀❀❀

حارث کی آنکھ صبح خاصی دیر سے کھلی تھی۔ سورج کی کرنیں چھن چھن کر کھڑکی سے اندر آ رہی تھیں۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے۔

''ناشتہ ملے گا؟'' کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتی شہزین سے پوچھا۔

''بریڈ فریج میں رکھی ہے۔ جام بھی ہے اور مکھن بھی۔ چاہیں تو انڈا فرائی کرلیں۔'' مصروف سے انداز میں بالواسطہ انکار کردیا۔ حارث چپ چاپ فریج میں سے بریڈ اور مکھن نکال کر وہیں رکھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ شہزین کو شدید کوفت ہوئی مگر چہرے کے تاثرات نارمل رکھے۔

''میں ایک بات سوچ رہا تھا۔'' حارث کی بات پر اس نے فقط ایک نگاہ غلط اس پر ڈالی اور پھر سے مصالحہ بھوننے میں مصروف ہوگئی۔

''تم پہلے سے زیادہ خوب صورت ہوگئی ہو۔'' انداز خاصا محبوبانہ سا تھا۔ شہزین پڑ گئی۔

''جانتی ہوں۔'' ٹکا سا جواب دیا جس پر ایک لمحے کو وہ کچھ کھسیا سا گیا۔

''بہت ہوشیار ہوگئی ہو۔'' پتا نہیں طنز تھا یا ستائش۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''وقت سب سے بڑا استاد ہوتا ہے۔'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی مگر اس نے سن لیا۔

''ہوں۔ ٹھیک کہتی ہو۔'' حارث نے پرسوچ سے انداز میں کہا۔ شہزین کو اس کی موجودگی سے چڑ ہونے لگی تھی۔

''چاچو ہاسپٹل چلے گئے؟'' یوں ہی دریافت کیا۔

''جی ہاں۔''

''بوا بیگم یہیں رہتی ہیں؟ ویسے اچھا کیا چاچو نے کہ انہیں اپنے پاس رکھ لیا۔ امی کی وفات کے بعد ظاہر ہے کہاں تم ان کے ساتھ تنہا کیسے رہ سکتی تھیں۔'' وہ خود ہی سوال جواب کررہا تھا۔ ''ماریہ بہت بری عورت تھی۔ امی کی وفات کا سنا تو فوراً آنے کو تیار ہوگیا مگر اس ذلیل عورت نے مجھے آنے ہی نہ دیا۔ میرا پاسپورٹ قبضے میں کرلیا۔ کمینی' گھٹیا عورت۔'' وہ اب مغلظات بک رہا تھا۔ شہزین کو اس کی کہانی سے کوئی سروکار نہ تھا۔

''یقین مانو شہزین۔ ماریہ سے شادی کرکے مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی بڑی غلطی کرچکا ہوں۔ وہ میری بے وقوفی تھی۔ حالاں کہ محبت تو میں تم سے کرتا ہوں۔ کیسے بتاؤں تمہیں کہ تمہارے بغیر کتنا تڑپا ہوں میں۔ صرف تمہارے لیے میں لوٹ آیا ہوں۔ بس اب ہم جلد ہی شادی کرلیں گے۔'' شہزین نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور کچن سے باہر نکل گئی۔ ''کیا سمجھتا ہے خود کو؟ میں کوئی کھلونا ہوں جب چاہا پھینک دیا۔ جب چاہا اٹھالیا۔ اتنا سستا سمجھ رکھا ہے مجھے؟'' سبزی بناتے ہوئے اس کے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ذہن بھی تیز تیز چل رہا تھا۔ حارث کی بات پر اسے شدید غصہ آیا تھا مگر ضبط کرگئی تھی۔ دوپہر کو ولید اچانک گھر آ گیا تھا۔ حارث باہر گیا ہوا تھا۔ بوا بیگم ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد قیلولہ فرمارہی تھیں۔

''کیا بکواس کی ہے تم نے صبا کے ساتھ؟'' بلاتمہید وہ شہزین کے سر پر کھڑا اچلا رہا تھا۔

''میں نے؟'' ایک لمحہ کو تو وہ کچھ سمجھ ہی نہ پائی تھی۔

''تو اور کیا میں نے!'' دانت چبا چبا کر بولا۔ انداز سے لگ رہا تھا کچا چبا جائے گا۔ ''کیا ضرورت تھی ڈھنڈورا پیٹنے کی۔ میں نہیں مانتا اس کاغذی تعلق کو۔ تم نجانے کن خوش فہمیوں میں گھری ہو۔ کان کھول کر

سن لو۔ میرے لیے یہ تعلق ناقابل قبول ہے اور رہے گا۔'' وہ جس طرح آندھی طوفان بن کر آیا تھا۔ اسی طرح واپس چلا گیا۔ کچھ بھی کہنے سننے کا موقع دیے بغیر' لفظوں کی سنگ باری کرتا ہوا شہزین کا دماغ ماؤف ہورہا تھا۔ ''آخر سب نے مجھے ہی مشق ستم کیوں بنا رکھا ہے۔ جس کا جو جی چاہتا ہے۔ کہتا ہے۔ کیا میں انسان نہیں ہوں۔ کیا میرے سینے میں دل نہیں ہے۔ غصہ مجھے بھی آتا ہے مگر میں کس پر نکالوں یہ غصہ۔ آخر میرے ہی مقدر میں یہ کٹھنائیاں کیوں لکھی گئی ہیں۔'' بوا بیگم کی گود میں سر رکھے وہ مسلسل رورہی تھی۔ وہ سب کہنا چاہتی تھی مگر زبان پر قفل پڑے تھے۔

''بچی۔ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟'' حارث نے کچھ کہا ہے؟'' ولید کی طرف ان کا ذہن گیا ہی نہیں تھا کیوں کہ وہ اس وقت گھر آتا ہی نہیں تھا۔

''یوں ہی دل بھر آیا تھا۔'' رونے کے بعد کچھ جی ہلکا ہوا تو آنسو پونچھتے ہوئے بوا بیگم کو مطمئن کرنا چاہا۔ وہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہورہیں۔

❀❀❀

''تم میرے ساتھ ایسا کرو گے۔ مجھے اندازہ نہ تھا۔''

''صبا پلیز۔ تم تو مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔'' بڑی مشکل سے صبا آج ملنے پر راضی ہوئی تھی۔

''تم نے نہ صرف مجھے بتائے بغیر نکاح کرلیا بلکہ اس کے ساتھ اتنے عرصے سے رہ بھی رہے ہو۔''

''میں بتاچکا ہوں کہ کس مجبوری کے تحت نکاح ہوا تھا اور یہ بات بھی واضح کردوں کہ ہم دونوں کے درمیان محض کاغذی رشتہ ہے۔ اور کوئی تعلق نہیں ہے ہمارا۔'' اسے وضاحتیں دینے سے ہمیشہ چڑ رہی تھی مگر یہ ناپسندیدہ کام بھی وہ کررہا تھا۔

''میں نہیں مانتی۔''

''چھن۔ چھن۔ چھن۔'' اندر کچھ بڑی زور سے ٹوٹا تھا۔ ''تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ میرے لفظوں پر یقین نہیں ہے۔''

''مرد پر اعتبار کرنا عورت کی سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ مزید کسی بات کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ ولید کا دل بڑی بری طرح ٹوٹا تھا۔

''محبت اور شک کبھی ایک دل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ جس رشتے کی بنیادیں اعتبار سے خالی ہوں۔ اس کا قائم رہنا بے حد مشکل ہوجاتا ہے۔ مجھے تم سے بچھڑنے کا دکھ تو ہے مگر یہ افسوس بھی رہے گا کہ تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔'' دھواں دھواں ہوتے دل کو سنبھالتا وہ اٹھ کر چلا گیا۔

اسپتال کی تکمیل کے آخری مراحل میں تھی۔ اس نے صبا کے حوالے سے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ وہ صبا کے ساتھ مل کر اسپتال چلانا چاہتا تھا مگر سب کچھ ملیا میٹ ہوگیا تھا۔ اخبارات وغیرہ میں اسٹاف کے لیے اشتہار دیے تھے۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے بے حد مصروف تھا۔ سرجن شہباز اور سرجن عبدالواحد نے بھی اسپتال میں اپنا شیئر ڈالا تھا۔ ان دونوں کے ساتھ مل کر ایک ڈیڑھ ہفتہ تو اسٹاف کی تعیناتی میں گزر گیا۔ وہ اس عرصے میں اتنا مصروف رہا تھا کہ گھر پر سے توجہ بالکل ہٹ گئی تھی۔ شہزین سے تو اس روز کے بعد سے سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔

''چاچو! مجھے آپ سے ایک بات کرنا تھی۔'' اس روز وہ کافی دنوں بعد جلدی گھر آ گیا تھا۔ حارث اس کے پیچھے پیچھے کمرے تک آیا تھا۔

''کہو۔'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ حارث اس کے مقابل صوفے پر ٹک گیا۔

''دراصل......'' وہ کچھ ہچکچایا۔

"جو کہنا ہے یار ذرا جلدی کہو۔ مجھے کچھ دیر بعد واپس بھی جانا ہے۔"

"مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔" ولید نے دیکھا نگاہیں نیچی کیے وہ کچھ شرمندہ سا نظر آ رہا تھا۔

"کتنے؟"

"پانچ لاکھ!"

"واٹ؟ اتنی بڑی رقم۔ تمہارا خیال ہے نوٹ درختوں پر اگتے ہیں۔"

"میں جلد ہی آپ کو لوٹا دوں گا۔"

"بات لوٹانے کی نہیں ہے۔ ویسے تم اتنے پیسوں کا کرو گے کیا؟"

"میں اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر گارمنٹس کا کام شروع کرنا چاہتا ہوں۔"

"سوری یار۔ میں اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ مجھے تو خود آج کل پیسوں کی اشد ضرورت ہے۔" حارث کو امید نہیں تھی کہ اسے اتنا صاف جواب ملے گا۔

"شہزین کے نام کافی بڑی رقم بینک میں جمع ہے۔ اب تک تو دگنی ہو چکی ہوگی۔ اگر آپ......"

"شٹ اپ حارث۔ اس رقم سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"کیوں؟" اس نے تیکھے چتون سے گھورا۔

"میں اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ بہتر ہوگا تم اس سے بات کرو جس کی یہ رقم ہے۔" ٹکا سا جواب دے کر وہ واش روم میں گھس گیا۔

حارث سوچ میں پڑ گیا۔ اپنی جائیداد تو اس کی کوئی باقی بچی نہ تھی۔ امریکا میں بھی ماریہ کی دولت پر عیش کرتا رہا۔ اس کی بہت سی لڑکیوں سے دوستی تھی۔ یہ بات ماریہ کو پسند نہ تھی۔ وہ بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ پل بھر میں نہ صرف اس سے سارے رشتے توڑ ڈالے بلکہ پھوٹی کوڑی بھی نہ دی تھی۔ صرف اتنی رقم تھی اس کے پاس کہ وہ ٹکٹ خرید کر واپس پاکستان آ سکے۔ اس بار شہزین کی جائیداد کا لالچ اسے پاکستان کھینچ لایا تھا۔

"بوا۔ پلیز مت جائیں نا۔" وہ منت بھرے انداز میں بولی۔ بوا کے وجود سے دوسراہٹ کا احساس ہوتا تھا۔ ولید کے سامنے تو وہ ویسے بھی نہیں جاتی تھی اور رہا حارث تو اس کی تو وہ صورت سے بھی نفرت کرتی تھی۔ بوا بیگم کے میاں کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی جس پر ان کا بیٹا انہیں لینے کے لیے آیا تھا۔

"جانا ضروری ہے بیٹا۔ پتا نہیں انور کے ابا کی کیا حالت ہوگی۔ تم جی چھوٹا نہ کرو۔ میں جلد ہی آؤں گی دوبارہ۔" شہزین خاموش ہو گئی کہ واقعی ان کا جانا ناگزیر تھا۔ بوا کے جانے کے بعد وہ خود کو تنہا تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ حالاں کہ وہ پہلے بھی اس تنہائی کی عادی تھی مگر پچھلے ایک ماہ سے بوا کے وجود کی عادت سی ہو گئی تھی۔

"ایک کپ چائے ملے گی؟" وہ لان میں بیٹھی ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی جب حارث چلا آیا۔

"کچن میں سب چیزیں موجود ہیں۔ خود بنالیں۔"

"مگر میں تمہارے ہاتھ کی بنی چائے پینا چاہتا ہوں۔" وہ بھی ایک ڈھیٹ تھا۔

"آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"

"میں تو ہمیشہ سے تمہارے پیچھے تھا۔ تمہیں شاید یاد نہیں ہے۔" ایک لمحے کو شہزین کا جی چاہا بتا دے اسے کہ وہ اب پہلے والی شہزین نہیں رہی۔ زبردستی ہی سہی مگر وہ اب کسی کی منکوحہ تھی مگر لبوں پر گویا قفل پڑے تھے۔ "وہ" پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ جلد یا بدیر وہ کاغذی تعلق ختم کر دے گا۔ پھر بھلا فائدہ کیا تھا اس بات کو دہرانے کا۔

تبھی ولید احمد کی گاڑی پورچ میں آ کر رکی تھی۔ شہزین اور حارث کو ساتھ ساتھ کھڑے باتیں کرتا دیکھ کر جانے کیوں اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ تن فن کرتا وہ اندر کی طرف بڑھ گیا اور پھر ایسا اکثر ہونے لگا۔ وہ جب بھی حارث کو شہزین کے آس پاس دیکھتا۔ اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ مگر وہ فی الحال کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ شہزین کی لاتعلقی پر بھی وہ چڑنے لگا تھا۔ وہ پہلے کی طرح اس سے کھانے کا نہیں پوچھتی تھی۔ چائے کافی وہ کہتا تو بنا کر دیتی یا کبھی ملازمہ سے کہہ دیتی۔ لاشعوری طور پر وہ کوشش کرتا تھا کہ رات دیر تک گھر سے باہر نہ رہے۔ وہ خود بھی اپنی اس کیفیت کو سمجھ نہ پا رہا تھا۔

اس روز اسے آنے میں دیر ہو گئی تھی۔ شہزین اپنے کمرے میں تھی جب دستک دے کر حارث اندر چلا آیا۔

"آپ اس وقت!" دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے وہ ناگواری سے گویا ہوئی۔

"تم سے ملنے یا بات کرنے کے لیے وقت کی کیا قید؟" وہ ڈھٹائی سے کہتا صوفے پر ٹک گیا۔

"جو بھی بات کرنی ہے صبح کیجیے گا۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔" اسے اپنے کمرے میں حارث کی موجودگی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ بھی اس وقت جب وہ گھر پر تنہا تھی۔

"تم کبھی ٹھیک سے میری بات سنتی ہی نہیں ہو۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "شہزین ایسا کب تک چلے گا۔ ایک ماہ سے اوپر ہو گیا ہے مجھے آئے ہوئے۔ مگر تم ہو کہ سیدھے منہ بات کرنا بھی گوارہ نہیں ہے۔"

"آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟" وہ زچ ہو گئی تھی۔ اس کی بلاوجہ کی تکرار سے۔

"شہزین! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"واٹ؟" وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں شہزی! میں آج بھی تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ ہم پھر سے ایک ہو جائیں گے۔ ہمارا بہت بڑا سا خوب صورت گھر ہوگا۔ گاڑی ہوگی۔ ہم مل کر......"

"بہت ہو گیا۔" اس نے چلا کر اس کی بات قطع کی۔ "تم مردوں نے عورت کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ کوئی کھلونا' چابی سے چلنے والی گڑیا' کٹھ پتلی نہیں ہوں میں جو تمہاری انگلیوں پر ناچوں۔ احساسات و جذبات سے عاری سمجھ رکھا ہے مجھے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"دیکھو شہزی! بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم......" حارث نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔

"ڈونٹ ٹچ می۔" اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ دروازے پر کھڑے ولید سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ وہ جانے کب آیا تھا۔ آنسو بھری آنکھیں ایک لمحے کو اس کی سرد اور سرخ نگاہوں سے ملی تھیں اور پھر وہ سائیڈ سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اس رات وہ دیر تک جاگتا رہا تھا۔ پتا نہیں کیا بات تھی جو اسے ایک پل کو چین نہ لینے دے رہی تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر وہ تھک گیا تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شام کو گھر واپس آیا تو عجیب سا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ بے اختیار اس کے قدم شہزین کے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"تم آخر کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟" شہزین کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ دروازے پر ہی رک گیا اور پھر جس طرح وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتی باہر نکلی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی یہ سب نظر انداز نہ کر پا رہا تھا۔

"بیٹا! اب وہ تمہاری عزت ہے۔ بیوی ہے تمہاری۔ گھر میں تنہا نہیں ہوگی۔ تم کوشش کرنا جلدی گھر آجایا کرو۔" جاتے سمے بوا بیگم نے اس سے کہا تھا جس پر اس نے سر جھٹک دیا تھا۔ مگر اب اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ بوا بیگم نے ایسا کیوں کہا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی ساکت بیٹھا رہا پھر اٹھ کر باہر نکل آیا۔ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی نظر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے وجود پر پڑی تھی۔ گھٹنوں میں سر دیے وہ شاید رو رہی تھی جس کی وجہ سے اس کا بدن دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔ چند قدم آگے بڑھا تو اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ ذرا سا اور آگے آنے پر سنائی دینے لگا کہ وہ کیا بڑبڑا رہی تھی۔

"اللہ میاں جی! آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ پہلے امی بابا کو مجھ سے چھین لیا۔ پھر خالو کو اور اب خالہ کو بھی۔ کاش میں امی بابا کے ساتھ ہی مر گئی ہوتی۔ میری وجہ سے اتنے لوگوں کی زندگی عذاب بنی ہوئی ہے۔ میں کیا کروں۔ اللہ مجھے موت دے دے کیوں کہ میں اب جینا نہیں چاہتی۔" اس کے الفاظ ولید احمد کے دل و دماغ پر کوڑے برسانے لگے تھے۔ وہ الٹے قدموں پلٹ گیا۔ آج پہلی بار اسے اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہو رہا تھا۔

"جب میں مرد ہو کر کچھ نہیں کر سکا تو وہ کمزور اور بے بس لڑکی کیا کر سکتی تھی۔ شاید تقدیر نے ہمارا ساتھ لکھا تھا۔ مگر...... مگر اس دل کا کیا کروں جس میں ایک پھانس سی چبھی ہے کہ وہ مجھ سے پہلے کسی کے ساتھ منسوب رہی ہے۔ ہر پل اس کو سوچتی رہی ہے۔ ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے اس کا ذہن متفرق سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ مرد چاہے جیسا بھی ہو امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ، تہذیب یافتہ ہو یا جاہل، نیک سیرت ہو یا بدسیرت، عورت کے معاملے میں سب کی سوچ اور نقطہ نظر ایک ہی ہوتا ہے۔ ان چھوئی، پاکیزہ، باحیا عورت ہی ان کی نظروں میں جچتی ہے۔ خود چاہے جو مرضی کرتا پھرے مگر یہ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کی عورت کی سوچوں میں بھی اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد کا گزر ہو۔ اس سمے ولید احمد بھی مرد بن کر سوچ رہا تھا۔ ایک عام مرد، جو اپنی منکوحہ کو اپنانے میں صرف اس لیے ہچکچا رہا تھا کہ اس سے پہلے وہ کسی اور سے منسوب رہی تھی۔

"شرم کرو ولید احمد۔ کتنی گھٹیا اور خود غرض سوچ ہے تمہاری۔" کوئی اس کے اندر سے چلایا تھا۔ "وہ لڑکی جو تمہاری منکوحہ ہے تم اس کو اپنانے میں فقط اس لیے ہچکچا رہے ہو کہ وہ منگنی شدہ تھی۔ اپنے گریبان میں تو جھانک کر دیکھو۔ کیا تم کسی اور لڑکی کے ساتھ انوالو نہیں رہے؟ تم تو صبا کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے تھے۔ گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ اس کا کیا؟ ہے کوئی جواب تمہارے پاس؟ ایک لڑکی جس کی منگنی بڑوں کی رضامندی سے ہوئی اور پھر جن وجوہات کی بنا پر ٹوٹی۔ وہ تمہارے سامنے ہیں۔ اس لڑکی کا کردار آئینے کی طرح شفاف ہے اور تمہارے سامنے ہے۔ پھر یہ ہچکچاہٹ چہ معنی دارد؟"

اس کے ضمیر نے اسے اندر تک جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"آج دوپہر کا کھانا میں گھر پر ہی کھاؤں گا۔" صبح ناشتے کی میز پر اس نے کہا تھا۔ شہزین کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔ وہ آملیٹ کی پلیٹ رکھ کر کچن سے باہر جانے لگی تھی۔ جب ولید نے اسے پکار لیا۔

"تمہیں ناشتہ نہیں کرنا؟" اس بار شہزین کے چہرے پر حیرت بھرے تاثرات ابھرے تھے۔ ایسے جملے تو وہ خالہ کے منہ سے سنا کرتی تھی۔ حارث بھی کچھ چوکنا ہو گیا تھا۔ جب سے وہ یہاں آیا تھا کبھی

ولید کو اس طرح شہزین سے مخاطب ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

"بھوک نہیں ہے۔" وہ تیزی سے کچن سے باہر چلی گئی تھی۔

"شہزین! شہزین!" ولید کے پکارنے پر وہ وہاں آئی تھی۔ آج تو قدم قدم حیران ہونے کا دن تھا۔ وہ ناشتے سے فارغ ہو چکا تھا۔ حارث نے اخبار کی اوٹ سے حیرت بھری نگاہ ولید پر ڈالی تھی۔

"جی!"

"دیکھنا ذرا میں اپنا والٹ شاید روم میں ہی بھول آیا ہوں۔"

"یہ آج انہیں کیا ہوا ہے؟" شہزین نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

"جاؤ بھئی۔ دیکھ کیا رہی ہو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" انداز گھر کنے والا تھا۔

"میں لے آتا ہوں۔ تم ٹھہرو شہزی۔" حارث سے اتنی بے تکلفی ہضم نہ ہو پا رہی تھی۔

"تم بیٹھو یار۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" حارث کو بیٹھنے کا اشارہ کرتا وہ خود بھی صوفے پر ٹک گیا۔ "تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو؟" شہزین تیزی سے پلٹ گئی۔

"تم نے آگے کا کیا سوچا ہے؟" سرد سی نگاہیں حارث پر ٹکی تھیں۔ وہ محض پہلو بدل کر رہ گیا۔

"میرا مطلب [illegible] تک یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے۔ [illegible]سی کا تو میرا خیال ہے تمہارا اب کوئی ارادہ نہیں ہے۔" ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ گہری نگاہوں سے حارث کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

"میں اپنا بزنس کروں گا۔"

"اچھا لطیفہ ہے۔ تم شاید جانتے نہیں کہ کوئی بھی کاروبار کرنے کے لیے سرمایہ درکار ہوتا ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا۔ حارث کو اس سمے ولید احمد پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ لہجہ بے ہنگم تھا نہ آواز بلند۔ مگر الفاظ کا کٹیلا پن چبھ رہا تھا۔

"تم کوئی جاب کیوں نہیں تلاش کرتے؟ ویسے ڈگری تو ہے نا تمہارے پاس۔" مشورہ دینے کے بعد اس نے یوں پوچھا گویا اسے شک ہو کہ وہ بنا ڈگری کے ہی لوٹ آیا ہے۔ اور شاید یہ ماں کی دعائیں ہی تھیں جو وہ کم از کم تعلیم مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا حالاں کہ اس نے ماں کو ناراض کر دیا تھا۔ جس پر وہ واقعی بے حد نادم تھا۔ ماں کی قبر پر جا کر رو رو کر معافی مانگی تھی۔

"آپ کو میرے معاملوں میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ولید کا انداز اسے چبھ رہا تھا۔

"اس وقت تم میرے گھر پر موجود ہو۔ تمہاری دو وقت کی روٹی مجھ پر بھاری نہیں ہے۔ مگر کب تک یوں دوسروں کے سہارے پڑے رہو گے؟" حارث کے انداز پر ولید کو غصہ آ گیا تھا۔ چہرے پر پتھریلے سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"بہتر ہوگا کہ تم کوئی حتمی فیصلہ کر لو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ شہزین کافی دیر سے پیچھے کھڑی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

"میرا کمرہ میلوں کے فاصلے پر ہے جو ایک والٹ لانے میں اتنی دیر۔" شہزین کے ہاتھ سے والٹ لیتے ہوئے وہ خوامخواہ ہی بگڑنے لگا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ پل میں شعلہ، پل میں شبنم۔ یہ اور بات تھی کہ شہزین کے حصے میں اکثر شعلے ہی آتے تھے۔

"ہونہہ۔ خوامخواہ دوسروں پر رعب ڈالنے کا شوق ہے انہیں۔" ولید کے جانے کے بعد میز کو ٹھوکر مارتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ "اور تم...... تمہیں کوئی

ضرورت نہیں ہے ان کا کوئی کام کرنے کی۔ نوکرانی نہیں ہو تم ان کی۔ بس بہت ہوگیا۔ شہزی! اب ہم جلد ہی شادی کرلیں گے۔ چھوڑ دیں گے یہ گھر۔ تمہارے نام جو بینک میں رقم ہے۔ فی الحال ہم وہ استعمال کریں گے۔ میں کاروبار کروں گا اور پھر منافع کے ساتھ وہ رقم تمہارے اکاؤنٹ میں دوبارہ جمع کروا دوں گا۔" وہ خود ہی منصوبے بنا رہا تھا۔

"اوہ۔ تو یہ وجہ تھی مجھ سے محبت کا ڈرامہ رچانے کی۔" اس نے ایک نظر حارث کے چہرے پر ڈالی۔ وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہا نہیں اور پلٹ گئی۔

"آج آئیں گے ڈاکٹر صاحب تو بتادوں گا کہ میں اور شہزرین شادی کر رہے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں منصوبے بنا رہا تھا۔

"جب میں کہہ کر گیا تھا کہ دوپہر کا کھانا گھر پر کھاؤں گا تو پھر کھانا کیوں نہیں بنایا؟" ولید کے چلانے پر حارث بھی اپنے کمرے سے نکل آیا تھا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" سر جھکائے وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی۔

"کیا ہوا تمہاری طبیعت کو......؟ صبح تک تو بھلی چنگی تھیں۔"

"چاچو! جب وہ کہہ رہی ہے کہ......" حارث نے بولنا چاہا تو وہ اسے ٹوک گیا۔

"تم بیچ میں مت بولو۔"

"کیوں نہ بولوں بیچ میں......؟ نوکرانی نہیں ہے وہ آپ کی۔" حارث کو بھی غصہ آ گیا۔

"گھر کے کام کرنے سے کوئی نوکر نہیں بن جاتا۔"

"آپ کو شہزی سے اس طرح بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"جسٹ شٹ اپ۔ اپنے حقوق و فرائض میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔" تیوریاں چڑھائے وہ ٹکا سا جواب دے کر دوبارہ شہزرین کی طرف پلٹا۔

"کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو......؟ ذرا میں بھی تو دیکھوں۔" اس نے شہزرین کی کلائی تھامی تو وہ بدک گئی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔" حارث لپک کر آیا تھا۔

"تم بیچ میں مت بولو۔ کیا اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دینا پڑے گا؟"

"میں بولوں گا کیوں کہ یہ شہزرین کا معاملہ ہے اور وہ میری......"

"مسٹر حارث احمد۔ یہ ہم میاں بیوی کا معاملہ ہے۔" ولید نے سرعت سے حارث کی بات قطع کی۔ جہاں حارث اس کی بات پر یکلخت ساکت ہوگیا تھا۔ وہاں شہزرین کے لیے بھی یہ مقام حیرت تھا۔ اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے ولید احمد کے منہ سے اپنے لیے لفظ "بیوی" سنا تھا۔

"کک...... کیا مطلب؟" چند لمحوں بعد حارث بولنے کے قابل ہوا تھا۔

"تم شاید کسی غلط فہمی کا شکار تھے۔ کیوں شہزرین کیا تم نے بھتیجے حضور کو نہیں بتایا کہ گیارہ ماہ قبل ہمارا نکاح ہوا تھا؟" اس نے جس مقصد کے لیے یہ ڈرامہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا تھا۔ حارث کی غلط فہمی بلکہ خوش فہمی وہ اسی طرح اچانک شاک دے کر دور کرنا چاہتا تھا۔ حارث کی باتوں سے وہ جان چکا تھا کہ وہ بے خبر تھا۔ شہزرین نے بھی اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ حارث الٹے قدموں پلٹ گیا تھا۔ شہزرین نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ولید کی طرف دیکھا اور پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"اب پتا نہیں کون سی نئی چال چلنے لگے ہو ولید احمد! جس رشتے کو قبول کرنے سے انکاری تھے۔

اچانک گیارہ ماہ بعد تمہیں کیسے یاد آ گیا؟" بستر پر لیٹ کر گہرے سانس لیتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

ولید نے ملازمہ سے کہہ کر کافی بنوائی۔ فی الحال وہ شہزرین کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جس طرح اس کی نگاہوں میں حیرت ابھری تھی۔ وہ جانتا تھا فی الوقت وہ الجھن میں ہوگی۔ کافی پی کر وہ واپس چلا گیا تھا۔ شام سات بجے کے قریب وہ گھر آیا تو اسی خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔

"ماسی چلی گئی؟" چوکی دار سے دریافت کیا۔ چند دنوں قبل ہی اس نے چوکی دار رکھا تھا۔ ملازمہ تو شام چار بجے چلی جایا کرتی تھی۔

"جی صیب۔"

"حارث گھر پر ہے؟"

"نہیں صیب۔ وہ تو کافی دیر سے باہر گیا ہے۔"

"ہوں۔" ہنکارا بھرتا وہ آگے بڑھ گیا۔ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے اس کے قدم شہزرین کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ دوبارہ دستک دینے پر بھی دروازہ نہ کھلا تو وہ لاک گھماتا اندر داخل ہوگیا۔ کمرہ دبیز تاریکی میں ڈوبا تھا۔ اندازے سے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر لائٹ جلائی۔ روشنی پر شہزرین کسمسائی تھی مگر آنکھیں بدستور بند تھیں۔ ولید نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو یوں لگا گویا جلتے ہوئے توے کو چھولیا ہو۔ وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔

"شہزرین! شہزرین!" اس کے گال کو تھپکتے ہوئے پکارا تو وہ بمشکل آنکھیں کھول پائی۔

"پانی!" سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ولید نے پانی کا گلاس بھر کر اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ خود اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ چکا تھا۔ بایاں بازو اس کے شانوں کے گرد لپیٹے دائیں ہاتھ سے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔ وہ جانے کب سے پیاسی تھی۔ چند سانسوں میں ہی پانی کا گلاس ختم کر گئی۔

"اور پینا ہے؟" ولید کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلادیا۔ بخار کافی تیز تھا جس کی وجہ سے وہ نیم بے ہوش تھی۔ ولید نے اسے لٹادیا اور خود اپنا میڈیکل باکس اٹھانے چلا گیا۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں، انجکشن دیا۔ تب کہیں جا کر اس کا بخار کم ہوا تھا۔

وہ کچن کیبنٹ میں سے کارن فلیکس کا پیکٹ نکال رہا تھا جب حارث نے اندر قدم رکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔

"تم کہاں تھے اب تک؟"

"آوارہ گردی کر رہا تھا۔" وہ چڑ کر بولا۔

"میں گھر میں نہیں تھا تو کم از کم تم ہی خیال کر لیتے۔" گرم دودھ میں کارن فلیکس ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"شہزرین بری طرح بخار میں تپ رہی ہے۔ گھر میں صرف چوکی دار تھا۔ تم اسے یوں تنہا چھوڑ کر باہر نکل گئے۔"

"میں نے کسی کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ وہ آپ کی بیوی ہے میری نہیں۔ حارث کی بات پر ولید کے اعصاب تن گئے۔

"سوچ سمجھ کر بات کرو۔" تلخی سے کہتا وہ کچن سے باہر نکل گیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ نروٹھے پن سے کہتی کروٹ بدل گئی۔

"کھانا تو تمہیں کھانا پڑے گا۔ چلو اٹھو۔ بصورت دیگر تم جانتی ہو میں کھلانا بھی جانتا ہوں۔" دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ وہ خفا خفا سی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ انکار کرنے کا مطلب تھا اپنی موت کو دعوت

دینا۔ زبردستی کھلاتا بھی اور لفظوں کی مار بھی مارتا۔

"گڈگرل۔ تم یہ کھاؤ میں کپڑے چینج کرکے آتا ہوں۔" پیالہ اسے تھما کر وہ باہر نکل گیا۔ جب سے اسپتال سے آیا تھا۔ لباس نہیں بدلا تھا۔ اب ذرا شہزین کی حالت سنبھلی تو اسے کپڑے بدلنے کا خیال آیا۔ ویسے بھی وہ کافی تھک چکا تھا۔

شہزین تو گویا حیرت کے جھٹکوں کی زد میں تھی۔ ابھی ایک جھٹکے سے سنبھل بھی نہ پاتی کہ دوسرا لگ جاتا۔

"ولید احمد اور یہ التفات! اوہ! تو گویا یہ پیش بندی ہے۔ زبردستی ہی سہی۔ آخر منکوحہ تو ہوں نا ان کی۔ ڈاکٹر صبا سے دوسری شادی کرنے کے لیے رسمی طور پر ہی سہی مگر اجازت نامے پر میرے دستخط درکار ہوں گے۔ مگر وہ تو ویسے بھی مجھ سے کرواسکتے تھے پھر خود پر اتنا جبر کرکے میری تیمارداری کیوں کررہے ہیں۔" وہ الٹی سیدھی سوچوں میں غلطاں تھی۔

کچھ دیر بعد وہ آیا تو ہلکے بادامی رنگ کے آرام دہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ گیلے بالوں سے لگ رہا تھا وہ شاور لے کر آیا ہے۔ اس کے قدم رکھتے ہی دلفریب سی خوشبو پھیل گئی تھی۔ شہزین نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ پتا نہیں کیوں آج وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر خود کو سرزنش کی تھی۔

"ارے واہ! تم نے تو پورا پیالہ ختم کرلیا۔ یوں ہی نخرہ کررہی تھیں کہ بھوک نہیں ہے۔" شگفتگی سے کہتا وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"آپ جاکر سوجائیے۔ میں ٹھیک ہوں اب۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

"اچھا۔ میں بھی تو دیکھوں۔" انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا یا شاید شہزین کو ایسا محسوس ہوا تھا۔ ولید نے اس کی کلائی تھامی تو شہزین نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ذہن میں رہے کہ میں ایک ڈاکٹر بھی ہوں۔" کلائی کو گرفت میں لیتا وہ جتا گیا۔

"بخار تو ابھی بھی ہے۔ میرا خیال ہے اب تم آرام کرو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتا دینا۔ میں اپنے روم میں ہوں۔" چند لمحے پہلے کی شگفتگی معدوم ہوگئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد شہزین نے اپنی دائیں کلائی کو ایک بار غور سے دیکھا۔ ایک انوکھا سا جلتا ہوا لمس ابھی بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں موندلیں۔ بائیں آنکھ کے کونے سے ایک موتی ٹوٹ کر بالوں میں کہیں گم ہوگیا۔

"مجھے جاب مل گئی ہے۔ کل صبح میں کراچی جارہا ہوں۔" حارث کی اطلاع پر ولید نے اخبار پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"شکر ہے تمہیں عقل آگئی۔" نظریں پھر سے اخبار پر جمادیں۔ آج سنڈے تھا اور ولید گھر پر ہی تھا۔

"آئم سوری چاچو۔" ولید نے چونک کر اخبار نظروں کے سامنے سے ہٹایا۔ وہ شرمندہ شرمندہ سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"فورواٹ؟"

"میں نے ہمیشہ آپ سے بدتمیزی کی۔ دولت کی چکاچوند نے مجھے اتنا اندھا کردیا تھا کہ میں اپنی ماں کا آخری دیدار بھی نہ کرسکا۔ وہ مجھ سے بہت ناراض تھیں نا۔" وہ مرد ہوکر رو رہا تھا۔ ولید لاکھ اکھڑ اور بدتمیز سہی مگر حارث سے محبت کرتا تھا۔

"مرد ہوکر بچوں کی طرح رو رہے ہو۔" ولید نے اٹھ کر اسے گلے سے لگالیا۔

اپنے کیے کی سزا وہ بھگت چکا تھا بلکہ بھگت رہا تھا کہ ماں کی ناراضگی کی پھانس دل میں چبھی تھی۔

"مجھے تو مرکر بھی چین نہیں ملے گا چاچو۔ کیوں کہ میری ماں مجھ سے ناراض ہی اس دنیا سے چلی گئی۔"

"ایسا مت کہو یار۔ وہ ماں تھیں تمہاری۔ جانتے ہو آخری دنوں میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم پاکستان واپس لوٹ آئے تو سمجھنا کہ انہوں نے تمہیں معاف کردیا۔ صرف ایک ماں ہی اتنی عظیم ہوسکتی ہے۔" ولید کے الفاظ حارث کے سلگتے دل پر پھوار بن کر برس رہے تھے۔

"چاچو! میں شرمندہ ہوں کہ میں نے شہزین کے لیے اس طرح سوچا۔ آئی مین...... میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اور آپ......" نظریں جھکائے وہ بے حد نادم دکھائی دے رہا تھا۔

"لیواٹ یار۔ ہوجاتی ہے غلط فہمی۔" دھیرے سے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"اچھا تم اپنی پیکنگ کرو۔ میں ذرا تمہاری "چاچی" کو دیکھ لوں۔ بخار تو کب کا اتر چکا۔ جانے کیوں دو دن سے کمرہ نشین ہوکر رہ گئی ہے۔" مقصد صرف ماحول پر چھائی کثافت کو کم کرنا تھا۔

حارث پیکنگ کرنے چل دیا۔ یہ جاب اسے ایک دوست کے توسط سے ملی تھی۔ اس کے تایا اپنے آفس کی ایک برانچ کراچی میں کھول رہے تھے جس کے لیے انہیں منیجر کی ضرورت تھی۔ حارث کے پاس سفارش بھی تھی اور غیر ملکی ڈگری بھی! اس لیے جاب باآسانی مل گئی تھی۔

"یہ کیا ہورہا ہے؟" وہ بنا دستک دیے کمرے میں داخل ہوگیا تھا مگر اندر کا ماحول دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ وہ وارڈروب میں سے کپڑے نکال نکال کر سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔

"اپنا سامان پیک کررہی ہوں۔" پہلے کی نسبت اس کا انداز کچھ بےخوف سا تھا۔

"وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے مگر کیوں؟" ولید عین اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"میں یہاں سے جارہی ہوں۔"

"واٹ......؟ دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔" ازلی اکھڑپن عود کر آیا۔ "ادھر دیکھو میری طرف۔" بازو تھام کر جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"کہاں جارہی ہو؟"

"جہاں بھی جاؤں۔ میری مرضی۔ آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے......؟" آواز بھرا گئی مگر آنسوؤں کو چھلکنے نہ دیا۔

"مرضی کی بچی! شوہر ہوتا ہوں میں آپ کا۔" انداز کچھ طنزیہ ہوگیا تھا۔

"اچھا! یہ نئی اطلاع ہے میرے لیے۔" استہزائیہ انداز میں کہتی وہ بالکل مرعوب نظر نہ آرہی تھی۔

"رکھو واپس یہ سامان۔ کہیں نہیں جارہیں تم۔" اس نے سوٹ کیس میں رکھے کپڑے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر بیڈ پر پھینک دیے۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔

"خود ہی کہتے ہیں کہ میری وجہ سے آپ کی زندگی عذاب بن گئی ہے۔ مصیبت بن گئی ہوں میں آپ کے لیے۔ مسلط کیا گیا ہے مجھے آپ کے سر پر۔ میری وجہ سے ڈاکٹر صبا آپ سے خفا ہوگئیں۔ اب میں جارہی ہوں تو بھی آپ کو اعتراض ہے۔ مجھے بھی جینے کا حق ہے یا نہیں۔" ولید لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

"اور یہ دو دن سے جو آپ میری تیمارداری کا ناٹک رچا رہے ہیں۔ اس کی وجہ بھی میں جانتی ہوں۔" ولید نے تیکھے تیوروں سے اسے گھورا۔

"اچھا۔ ذرا میں بھی تو سنوں آخر آپ کی

معلومات کس حد تک درست ہیں۔"
"لائیے وہ اجازت نامہ۔ میں دستخط کردیتی ہوں۔" سرخ ہوتی ناک اور آنکھوں میں وہ بے حد معصوم لگ رہی تھی۔ ولید زیر لب مسکرادیا۔
"کیسا اجازت نامہ؟"
"دوسری شادی کا اور کون سا؟" وہ خفا خفا سی رخ موڑ گئی۔ ولید کی نگاہیں اس کی پشت پر بکھرے سنہری مائل براؤن سلکی بالوں پر ٹھہر گئیں۔ شاید نہانے کے بعد بال اب تک باندھے نہیں تھے۔
"اوہ...... تو آخر تمہیں معلوم ہو ہی گیا۔ چلو اچھا ہے۔ مجھے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔" چہرے پر سنجیدگی طاری کیے وہ بول رہا تھا۔ شہزرین کے دل پر منوں بوجھ آگرا۔
"اچھا۔ اب یہ تو بتادو کہ تم جا کہاں رہی ہو؟"
"ساہیوال۔ بوا بیگم کے پاس۔" روٹھے روٹھے سے انداز میں کہتی وہ دوبارہ سوٹ کیس سیٹ کرنے لگی۔
"کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اکثر حسین لڑکیاں عقل سے پیدل ہوتی ہیں۔" اس نے شانوں سے تھام کر اسے اپنے مقابل کرتے ہوئے کہا۔ شہزرین نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔
"تم سے کس نے کہا کہ میں دوسری شادی کررہا ہوں......؟"
"میں نے خود اندازہ لگایا تھا۔" وہ سر جھکا کر بولتی سیدھی دل میں اتر گئی۔
"بہتر ہوتا کہ یہ الٹے سیدھے اندازے لگانے کی بجائے تم شوہر پر توجہ دیتیں۔" شہزرین نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا آج تو نگاہیں بھی بدلی ہوئی تھیں اور انداز بھی۔
"ایسے مشکوک انداز میں کیوں دیکھ رہی ہو؟"
"ولید چاچا آپ......"
"لاحول ولاقوۃ۔ اب تو چاچو کہنا چھوڑ دو۔" وہ خاصا بدمزہ ہوا تھا۔
شہزرین شرمندہ سی ہوگئی۔ ولید کی نگاہوں میں جو پیام تھا۔ وہ پڑھ کر خود بخود ہی اس کی نظریں جھک گئیں۔
"آپ ڈاکٹر صبا سے شادی کرلیں۔ میں...... میں تو یوں بھی بوا بیگم کے پاس جارہی ہوں۔" اس نے جی کڑا کر کے کہا تو ولید کا تو دماغ گھوم گیا۔ زیادہ دیر وہ اپنی غصیلی طبیعت پر قابو نہ رکھ پایا تھا۔
"یہ...... کیا تم نے صبا صبا کی رٹ لگا رکھی ہے۔" انداز خاصا درشت تھا۔ شہزرین واقعتاً سہم گئی۔ "ایک شادی تو پایہ تکمیل تک پہنچ نہیں پارہی۔ فرماتی ہیں دوسری شادی کرلوں۔" ولید نے گھور کر اسے دیکھا اس آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔
"یا وحشت! اب یہ رونا کس بات کا ہے؟" وہ زچ ہوگیا۔ "تم مٹی سے نہیں آنسوؤں سے بنی ہو۔"
"آپ مجھے ڈانٹ کیوں رہے ہیں۔ میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ......"
"شش...... تم کچھ مت کہو۔ یہاں بیٹھو اور میری بات سنو۔" اسے لے کر وہ سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
"ٹھیک ہے میں اس رشتے پر راضی نہیں تھا۔ تم سے صرف نکاح صرف مجبوری کے تحت کیا تھا۔ اور وجہ کہیں نہ کہیں ڈاکٹر صبا بھی تھی۔ مگر میں لاکھ چاہتے ہوئے بھی تمہیں نظر انداز نہیں کرسکتا تھا کیوں کہ بہرحال تم میری بیوی اور میری عزت ہو۔ میں نے کئی بار سوچا کہ تمہیں طلاق دے دوں اور تمہاری شادی کہیں اور...... مگر خود کا تجزیہ کیا تو احساس ہوا کہ میں مر کر بھی ایسا نہیں کرسکتا۔ تم میری عزت ہو اور

میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ میری منکوحہ کسی اور کی بن جائے۔ رہا صبا کا سوال تو شاید اس کا اور میرا ساتھ یہیں تک تھا۔ اعتبار کی کسوٹی پر بہت کم لوگ پورے اتر پاتے ہیں۔ اور ویسے بھی جو میرے مقدر میں ایک بے وقوف لڑکی جو لکھی جا چکی تھی۔" کہتے کہتے آخر میں وہ کچھ شوخ ہوگیا تھا۔ اس کا لفظ لفظ شہزرین کے جلتے بجھتے دل پر پھوار بن کر برس رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
"یا خدا! اب پھر یہ کس بات کا رونا ہے؟"
"یہ...... یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔" وہ گھبرا کر بولی۔
"عجیب لڑکی ہو۔ لوگ خوشی میں ہنستے ہیں۔ تم روتی ہو۔" وہ مسکرایا۔ "اور یہ تم نے بوا بیگم سے کیا کہا تھا کہ تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے۔" مسکراتے لب بھینچ کر کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔
"وہ...... وہ میں تو......" شہزرین کی رنگت زرد پڑ گئی۔
"کوئی آدم خور ہوں یا میری شکل کسی دیو سے ملتی ہے؟"
"جی......"
"واٹ......؟"
"نن...... نہیں تو......" وہ اس کے پل پل بدلتے موڈ سے خائف ہوگئی تھی۔ کچھ دیر پہلے تک تو ٹھیک تھا۔
"اتنا مت ڈرا کرو یار۔ مجھے خوامخواہ شک ہونے لگتا ہے کہ میری شکل کسی جن سے تو نہیں ملتی۔" ولید نے ہاتھ بڑھا کر اسے قریب کرلیا تھا۔ شہزرین اس افتاد کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھی۔
"اچھا اب تم یہ سامان پیک کرلو۔"
"جی......؟" حیرت کے مارے شہزرین کی آنکھیں پھیل گئیں۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔
"حیران کیوں ہورہی ہو۔ کیا بنا سامان کے ہی میرے کمرے میں شفٹ ہوجاؤ گی؟" ولید کی شوخی پر وہ حیاء سے سمٹ گئی۔ چہرہ گلنار ہوگیا۔ ولید نے بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھا تھا۔
"اتنا سڑیل، خشک مزاج، اکھڑ ڈاکٹر اور یہ انداز۔" دل ہی دل میں سوچتے ہوئے ولید سے دور ہونا چاہا تو اس نے حصار تنگ کردیا۔
"بوا بیگم کے پاس جانے کے لیے تو بڑے زور و شور سے تیاری کررہی تھیں۔ اپنے شوہر کے لیے اتنی سوچ بچار۔"
"آ...... آپ مجھے ڈانٹیں گے تو نہیں۔" بوکھلاہٹ میں منہ سے پھسل گیا۔ اتنی قربت اس کے اوسان خطا کیے دے رہی تھی۔
"اگر بات نہیں مانو گی تو ڈانٹوں گا بھی اور......"
"اور......؟" اس کی سانس خشک ہوگئی۔
"اور پیار بھی کروں گا۔" اس کی بے باکی پر وہ لجا کر دوہری ہوگئی تھی۔
"بوا بیگم ٹھیک کہتی ہیں۔"
"کیا......؟"
"یہی کہ یہ لڑکا اخروٹ کی طرح ہے۔" تیزی سے کہتی وہ واش روم میں گھس گئی تھی۔ ولید کا جاندار قہقہہ اسے بھی کھل کر مسکرانے پر مجبور کرگیا۔ شادی سے پہلے کی محبت اور بعد کی محبت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ منگیتر کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ اصل محبت تو وہ ہوتی ہے جو شادی کے بعد صرف شوہر کو بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے ہوتی ہے اور شہزرین کو بھی اپنے شوہر سے محبت ہوگئی تھی۔